سہ ماہی

نورِ معرفت

علمی و تحقیقی مجلّہ

31

حدیث نمبر

ادار یہ

راوی کی توثیق کے طریقے

اسلام میں سنت نبویؐ کا مقام

کتب اربعہ کا اجمالی تعارف

شیخ صدوقؒ زمانہ غیبت صغریٰ کے عظیم محدث

حدیث کی نشر و اشاعت میں ائمہ اہل بیتؑ کا کردار

امامیہ کتبِ حدیث میں حدیث کے نقل کرنے کا طریقہ

احادیث کے اختلاف کے اسباب اور راویوں کی اقسام

اخباری مسلک کا اجمالی تعارف (تاریخ، شخصیات، نظریات)

NMT

حدیث کا سچا محافظ

وقَالَ عَلَيْهِ السَّلامُ: وَآخَرُ رَابِعٌ، لَمْ يَكْذِبْ عَلَى اللهِ، وَلاَ عَلَى رَسُولِهِ، مُبْغِضٌ لِلْكَذِبِ، خَوْفاً لله، وَتَعْظِيماً لِرَسُولِ اللهِ، وَلَمْ يَهِم، بَلْ حَفِظَ مَا سَمِعَ عَلَى وَجْهِهِ، فَجَاءَ بِهِ عَلَى مَا سَمِعَهُ، لَمْ يَزِدْ فِيهِ وَلَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ، وَحَفِظَ النَّاسِخَ فَعَمِلَ بِهِ، وَحَفِظَ الْمَنْسُوخَ فَجَنَّبَ عَنْهُ، وَعَرَفَ الْخَاصَّ وَالْعَامَّ، فَوَضَعَ كُلَّ شَيْءٍ مَوْضِعَهُ، وَعَرَفَ الْمُتَشَابِهَ وَمُحْكَمَهُ -

امام علی علیہ السلام نے (حدیث کے راویوں کی اقسام ذکر کرتے ہوئے) فرمایا: اور چوتھا شخص وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوف خدا اور عظمت رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے اس کی یاد داشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی، بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا اور نہ اس میں کچھ بڑھایا، نہ اس میں سے کچھ گھٹایا۔ حدیث ناسخ کو یاد رکھا، تو اس پر عمل بھی کیا۔ حدیث منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا، اور اس سے اجتناب برتا، وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے اور ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے، اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔

(نہج البلاغہ، خطبہ ۲۰۱)

بسم الله الرحمن الرحيم

اہل قلم سے اپیل

سہ ماہی "نور معرفت" ایک علمی و تحقیقی جریدہ ہے۔ یہ جریدہ ملک کے اعلی تعلیم یافتہ طبقہ کی علمی پیاس بجھانے کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ جہاں اس جریدے کا ہدف عامۃ الناس کے اذہان کو علم کی ضیاء پاشیوں سے منور کرنا ہے، وہاں اس کا ایک اہم ہدف، دینی مدارس اور یونی ورسٹیوں کے اساتذہ اور طلاب کے درمیان علمی و تحقیقی شوق و جستجو پیدا کرنا بھی ہے۔ اس حوالے سے یہ جریدہ ہر دین دار عالم و دانشور کے علمی اور قلمی تعاون کا محتاج ہے۔ اس جریدے میں علوم قرآن و حدیث، فقہ و اصول فقہ، کلام و فلسفہ؛ اسلامی تاریخ، تقابل ادیان، تعلیم و تدریس، ادبیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اقبالیات، ثقافت و تمدن، قانون و اصول قانون وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے مقالات کے علاوہ علمی کتابوں پر تبصرے شائع کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری اپیل ہے کہ اپنی گراں قدر علمی آراء، تحقیقات اور نگارشات اس جریدہ کو ارسال کریں۔

چند ضروری ہدایات

- مقالہ نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنے تحقیقی مقالات مدیر نور معرفت کے نام ارسال کریں۔
- بہتر ہے کہ مضمون کمپوز شدہ ہوں اور ان کی ضخامت بیس /پچیس صفحات سے زائد نہ ہو۔ ممکن ہو تو مضمون کی سافٹ کاپی بھی ارسال کریں یا مدیر کے ای۔ میل پر ارسال کی جائے۔
- ترجیحی بنیادوں پر ایسے موضوعات پر تحقیق کی جائے جو ادارہ تجویز کرے۔
- حواشی اور حوالہ جات کے لئے اصلی مآخذ اختیار کریں اور مضمون کے آخر میں **Turabian Style** میں درج ذیل ترتیب کے مطابق لکھے جائیں:

  مصنف کا لقب، مصنّف کا نام؛ کتاب کا نام، پبلشر کا نام؛ سن طباعت؛ جلد؛ صفحہ نمبر۔ مثال کے طور پر:

  سید العلماء، علی نقی النقوی، تفسیر فصل الخطاب، مصباح القرآن ٹرسٹ، ۲۰۱۱، ج۱، ص ۱۴، لاہور، پاکستان۔
- نور معرفت میں شائع شدہ مقالات کسی اور جگہ طبع کرانے کی صورت میں مجلّہ ہذا کا حوالہ دینا ضروری ہے۔
- مجلّہ، مقالات کی ادبی، فنّی اور ظاہری آرائش اور عبارتوں کی تہذیب کا حق رکھتا ہے۔
- ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں؛ لہٰذا مجلّہ ارسال شدہ مقالات کی علمی آرائش اور تہذیب کا حق بھی رکھتا ہے۔

نوٹ ادارے کا مقالہ نگار کی تمام آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Declaration No: 7334

ISSN 2221-1659

جلد: ۷
جنوری تا مارچ
2016
بمطابق
ربیع الثانی
تا
جمادی الثانی
۱۴۳۷ھ
شمارہ: ۱

سہ ماہی

علمی و تحقیقی

نور معرفت

مدیر اعلی
سید حسنین عباس گردیزی

مدیر
سید رمیز الحسن موسوی

مجلس ادارت

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین
ڈاکٹر ساجد علی سجانی
ڈاکٹر سید راشد عباس
ڈاکٹر کرم حسین ودھو
ڈاکٹر علی رضا طاہر
سید علی مرتضی زیدی
سید ثمر علی نقوی
روشن علی

کمپوزنگ، ڈیزائننگ بابر عباس

پرنٹر: پکٹوریل پریس، آبپارہ، اسلام آباد

قیمت فی شمارہ 130 روپے
زرِسالانہ 500 روپے

زرِسالانہ 150 ڈالر امریکہ، کینیڈا، یورپ
زرِسالانہ 070 ڈالر مڈل ایسٹ

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات، نورالہدیٰ ٹرسٹ، محلہ سادات، بارہ کہو اسلام آباد
www.nmt.org.pk | www.nht.org.pk
E-MAIL: NOOR.MARFAT@GMAIL.COM

فہرست

نمبر شمار	موضوع	مؤلف	صفحہ
۱	اداریہ	مدیر	۷
۲	اسلام میں سنّتِ نبوی کا مقام	علامہ مرتضٰی عسکری	۱۱
۳	امامیہ کتبِ حدیث میں حدیث کے نقل کا طریقہ	سید علی رضا کاظمی	۳۱
۴	احادیث کے اختلاف کے اسباب اور راویوں کی اقسام	سید رمیز الحسن موسوی	۳۹
۵	حدیث کی نشر واشاعت میں ائمہ اہل بیتؑ کا کردار	ڈاکٹر محمد افضل	۴۹
۶	شیخ صدوقؒ زمانہ غیبت صغریٰ کے عظیم محدّث	سید علی رضا کاظمی	۶۵
۷	اخباری مسلک کا اجمالی تعارف (تاریخ، شخصیات، نظریات)	ملک جرار عباس بزدانی	۸۳
۸	راوی کی توثیق کے طریقے	آفتاب حسین جوادی	۱۲۵
۹	کتب اربعہ کا اجمالی تعارف	سید رمیز الحسن موسوی	۱۴۹

"نمُت" ایک نظر میں

" نور الہدیٰ مرکز تحقیقات"، نور الہدیٰ ٹرسٹ کا ایک ذیلی ادارہ ہے جسے بطورِ اختصار "نمت" **(NMT)** پڑھا لکھا جاتا ہے۔ یہ ادارہ فاضل علماء کرام اور دانشوروں کی رہنمائی میں کام کر رہا ہے اور اِسے جن شخصیات کی سرپرستی حاصل ہے اُن کی اکثریّت حوزہ علمیہ قم سے تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ، معروف انٹرنیشنل یونیورسٹیز سے بھی تعلیم یافتہ اور مختلف جامعات میں تدریس و تحقیق کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ "نمت" کو ملکی شخصیات کے علاوہ عالمِ اسلام کے بعض بین الاقوامی علمی مراکز کے فاضل علماء کرام کا قلمی تعاون اور فکری رہنمائی بھی حاصل ہے۔

"نمت" کا نصب العین **(Vision)** مملکتِ خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی تشکیل کی ٹھوس فکری بنیادیں فراہم کرنا ہے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے پاکستانی قوم میں دینی آگہی کا فروغ اور قومی شعور بیدار کرنا "نمت" کا مشن **(Mission)** ہے۔ "نمت" کے اہداف **(Goals)** درج ذیل ہیں:

1. محققین کے درمیان رابطہ اور ہماہنگی ایجاد کرنا۔
2. نشر واشاعت کے عمل میں قومی رسائل وجرائد کے ساتھ تعاون۔
3. اسلامی تعلیمات کے تحقیق طلب موضوعات پر تحقیقات پیش کرنا۔
4. قومی اور معاشرتی مسائل کا اسلامی تعلیمات کے نکتۂ نظر سے حل پیش کرنا۔
5. ملت مسلمہ کے افراد کو درپیش عقیدتی اور فکری شبہات اور سوالات کا جواب پیش کرنا۔
6. دینی مدارس، کالجوں اور یونی ورسٹیز کے اساتذہ اور طلباء میں تحقیق کا جذبہ اجاگر کرنا۔

جہاں تک "نمت" کی پالیسیوں **(Policies)** کا تعلق ہے تو ملکی سالمیت اور مملکت خداداد پاکستان میں اسلامی تہذیب کی حکمرانی کی غرض سے پاکستان کے قومی نظریہ (نظریۂ توحید) کو اجاگر کرنا اور پاکستانی قوم کے اندر یکجہتی اور وحدت کا شعور بیدار کرنا، اس ادارے کی اساسی پالیسی ہے۔ "نمت" کی پالیسی یہ ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی ترویج کے ذریعے اس قوم میں پائی جانے والی بیمار دینی سوچ کا معالجہ اور فکری پسماندگی کا خاتمہ کیا جائے؛ تاکہ یہاں اسلامی تہذیب حاکم ہوسکے۔

"نمت" کی تگ و دَو اور سرگرمیوں کا دائرہ کار محض تعلیمی، تحقیقی میدان میں فعالیت میں محدود ہے اور یہ اپنے اہداف کے حصول کے لئے مختلف اسلامی فرقوں اور مذاہب کے درمیان بین المسالک ہماہنگی، تعمیری تنقید اور درک متقابل کا قائل ہے۔ یہ ادارہ کسی خاص شخصیت کی تصنیفات پیش کرنے کی بجائے، اپنے اہداف سے ہماہنگ، ہر تحقیقی کاوش کو اپنے دامنِ نشر واشاعت میں جگہ دینے کا عہد کیے ہے۔ ہم فکر محققین کی تربیت بھی "نمت" کی اساسی پالیسی ہے۔ لہٰذا دینی مدارس کے اساتذہ، محققین، دینی اسکالرز، کالجز، یونی ورسٹیز کے طلباء وطالبات، اہل قلم اور دانشور حضرات ہمارے خاص مخاطب شمار ہوتے ہیں۔

تحقیق کے میدان میں "نمت" کا منہج بڑا واضح ہے۔ ہمارے منابع میں قرآن کریم سرفہرست ہے۔ اور ہم سنّت نبوی کے اُس طریق پر اعتماد کرتے ہیں جو ائمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا طریق ہے۔ ان منابع سے دینی تعلیمات کے اخذ و استخراج میں ہم مکتب تشیع کی اُس علمی تحقیقی روش کے علمبردار ہیں جو دینِ اسلام کے بنیادی منابع میں تتبّع، تفحّص اور اجتہاد کی بنیادوں پر استوار ہے۔

جہاں تک "نمت" کی کارکردگی کا تعلق ہے تو اب تک یہ ادارہ مختلف موضوعات پر 13 کتابیں اور سہ ماہی مجلّہ "نور معرفت" کے 30 شمارے (تقریباً ۲۸۴ علمی، تحقیقی مقالات) پیش کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ ادارہ اب تک 8 سالانہ علمی سیمینارز کا انعقاد بھی کر چکا ہے۔ بہر صورت، "نمت" کو اپنے تحقیقاتی منصوبے جاری رکھنے کے لئے دانشوروں، علماء اور اہل قلم کے قلمی اور فکری تعاون کے ساتھ ساتھ علم دوست احباب کا مالی تعاون بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کرم فرماؤں کو اس ادارے کے لئے بہتر سے بہتر وسائل فراہم کرنے کے توفیق عطا فرمائے! (آمین!)

ڈائریکٹر "نمت"

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

اداریہ

قرآن مجید کے بعد دین اسلام کے معارف کا سب سے بڑا منبع حدیث اور سنت رسول ﷺ ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن کے بعد سنت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ مکتب اہل بیت کی نگاہ میں سنت کا دائرہ دوسرے اسلامی مکاتب کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔ چونکہ سنت صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے قول، فعل اور گفتار تک محدود نہیں، بلکہ اس میں تمام ائمہ اطہارؑ کے اقوال، افعال اور گفتار بھی شامل ہیں۔ اسی لیے علما نے سنت کی تعریف میں ''معصوم'' کی قید لگائی ہے تاکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ائمہ اہل بیت بھی شامل ہوں۔ البتہ حدیث ہی سے سنت کی حکایت ہوتی ہے، اسی لئے جو بھی فضیلت، اہمیت اور ضرورت سنت کے بارے میں بیان ہوئی ہے، وہ حدیث کے لیے بھی ثابت ہے۔

حدیث کا سب سے اہم کردار قرآن کی تفسیر و تشریح ہے اور یہ قرآن کے ساتھ مل کر، تاریخ اسلام کی تقریباً پندرہ صدیوں کے دوران دین و شریعت کی فہم و ادراک میں مسلمانوں کے لئے بنیادی کردار ادا کرتی آئی ہے۔ حدیث کی اہمیت کے پیش نظر، احادیث کے مندرجات و مضامین اور ان کی سند کا جائزہ لینے کے لئے مختلف علوم معرض وجود میں آئے ہیں، جنہیں بحیثیت مجموعی علوم حدیث کہا جاتا ہے۔ اسی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کے بغیر اسلام کا ادراک ناممکن ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد ائمہ اہل بیت اطہارؑ نے حدیث کی نشر واشاعت کے لیے لامحدود کوششیں انجام دیں۔ حدیث کے سلسلے میں مختلف مسلمان حکام نے جو روش اپنائی تھی وہ نہ صرف صحیح نہیں تھی، بلکہ اس عمل سے اسلام کو دور رس خطرات بھی لاحق ہونے کے امکانات تھے۔ اسی بنا پر ائمہ اہل بیتؑ نے کسی بھی دور میں حدیث کی نشر واشاعت کو ختم نہیں ہونے دیا جس کے ثمر بخش اثرات آج بھی ہمیں مکتب اہل بیتؑ کے '' منابع حدیث ''میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

عصر حاضر میں بھی حدیث کی افادیت اور اہمیت اسی قدر ہے جس قدر گزشتہ صدیوں میں تھی، چونکہ قرآن میں کلی احکام نازل ہوئے ہیں اور ان کی شرح اور تفسیر صحیح حدیث ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ عصر حاضر انسانی مشکلات اور مسائل کا زمانہ ہے، جس میں نت نئے مسائل پیش آرہے ہیں اور انسان کو جہاں

فقہی احکام کے ذریعے شرعی رہنمائی کی ضرورت ہے وہاں اجتماعی، سیاسی اور اخلاقی مسائل میں بھی دین سے رہنمائی اور ہدایت حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔اسی ضرورت کے پیش نظر اسلام میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور قرآن و حدیث میں موجود کلیات کی مدد سے عصر حاضر کے جزئی مسائل و مشکلات کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

یہی وہ ضرورت تھی کہ جس کی خاطر علمائے اسلام نے قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث اور علوم حدیث میں بھی پیش بہا کام کیا ہے اور آج تک حدیث کے میدان میں تحقیق و جستجو کا سلسلہ جاری ہے ۔ لہٰذا تمام اسلامی فرق و مسالک اپنے اپنے مبانی کے مطابق حدیث میں تحقیق و جستجو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اُن کے بارہ جانشینوں کی امامت اور ولایت کے الٰہی سلسلے کی برکت سے اسلام کے دوسرے مکاتیب فکر کے برعکس اہل تشیع میں حدیث کا دائرہ قدرے وسیع ہے۔جس کی وجہ سے اہل تشیع میں اجتہاد کے ذریعے جدید عصری مسائل اور سیاسی و اجتماعی سوالات کا جواب بھی دوسروں کی نسبت بہتر انداز میں دیا جاتا ہے ۔ائمہ اطہار علیہم السلام نے ہمیشہ اپنے پیروکاروں کو اپنی احادیث کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی ہے اور زمانے کے حوادث میں ان فرامین سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

ائمہ اطہارؑ کا کلام، در حقیقت خاندان عصمت و طہارت کا کلام ہے اور سرچشمہ وحی سے نکلتا ہوا ایسا دریا ہے جس میں غوّاصی انسان کو ہر مشکل سے نجات دلا سکتی ہے۔ ائمہ اہل بیتؑ کے کلام میں ایک ایسی کشش ہے کہ جو ہر سلیم العقل اور نیک فطرت انسان کو اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لے جا سکتی ہے اور نیکیوں کی طرف راغب کر سکتی ہے۔اسی لئے امام رضا علیہ السلام نے تمام لوگوں کو اپنے علوم و معارف کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدا اَحْیا أَمْرَنا،“ (قال الرّاوی) فَقُلْتُ لَهُ: فَکَیْفَ یُحْیِی أَمْرَکُم؟۔ قالَ: ”یَتَعَلَّمُ عُلُومَنا و یُعَلِّمُها النّاسَ، فَإِنَّ النّاسَ لَوْعَلِمُوا مَحاسِنَ کَلامِنا لَاتَّبَعُونا “۔(معانی الاخبار، ص۱۸۰)

یعنی: خداوند عالم اس بندہ پر رحمت نازل کرے جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔ میں (راوی) نے آپؑ سے سوال کیا: آپ کا امر کس طرح زندہ ہوتا ہے؟ فرمایا: ہم اہل بیتؑ کے علوم کو سیکھ کر

لوگوں کو اس کی تعلیم دے ! یقیناً اگر لوگ ہمارے کلام کے حسن اور اس کی خوبی کو جان لیں تو ہماری اطاعت کریں گے۔

آج جہاں قرآن مجید کی آیات سے ہدایت وراہنمائی حاصل کرنی ضروری ہے، وہاں احادیث پیغمبر ﷺ اور آل پیغمبرؑ سے بھی بہرہ مند ہونا لازمی ہے۔ چونکہ ائمہ اہل بیتؑ کے فرامین کا سلسلہ روایت خود نبی اکرم ﷺ تک ہی پہنچتا ہے اور ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات کی بازگشت تعلیمات وحی ہی کی طرف ہوتی ہے اور پھر متفق علیہ حدیث ثقلین کے مطابق اہل بیتؑ، قرآن مجید کا ہم پلہ ہیں، جن کی اطاعت قرآن مجید کی اطاعت کی طرح واجب ہے۔اگر اُمت مسلمہ قرآن کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ائمہ اہل بیتؑ کے کلام سے بھی بہرہ مند ہوتی تو آج طرح طرح کی مشکلات ومصائب میں گرفتار نہ ہوتی۔اس وقت عالم اسلام کو جن مسائل اور چیلنجز کا سامنا ہے ،ان کا واحد حل قرآن کے ساتھ اہل بیت اطہارؑ کے فرامین سے ہدایت ورہنمائی لینا ہے۔ہماری فردی اور اجتماعی تمام مشکلات احادیث رسولؐ اور فرامین آل رسولؐ کے ذریعے برطرف ہوسکتی ہیں۔

اس لئے ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی سنت اور احادیث کو احیاء کرنا اس وقت جتنا ضروری ہے ،اتنا اس سے پہلے نہیں تھا۔علمائے دین اور مدارس دینیہ کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ سنت رسولؐ اور فرامین اہل بیت اطہارؑ کو زندہ کرنے اور ان کی نشرواشاعت کے لئے جس قدر سعی کرسکتے ہیں کریں۔

حدیث اور سنت کا یہی وہ مقام ومرتبہ ہے کہ جس کی وجہ سے امامیہ دینی مدارس اور حوزہ ہائے علمیہ میں مجتہدین اور فقہاء سالہا سال کی محنت شاقہ اور ائمہ اطہارؑ سے منقول احادیث اور قرآنی آیات کے وسیع مطالعات کے بعد بہتر انداز میں معاشرے کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ ادا کررہے ہیں۔امامیہ مکتب کا ہر فقیہ علوم حدیث اور رجال کے تمام پہلوؤں پر کامل دسترس کے بعد درجہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے اور اپنے اندر فتویٰ صادر کرنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔لہٰذا مکتب اہل بیتؑ میں حدیث کو جو مقام ومنزلت حاصل ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے مسلک کو حاصل ہو۔چونکہ حدیث وسنت فقہ اہل بیتؑ کا دوسرا بڑا منبع ہے لہٰذا فقہی مسائل کو استنباط کرنے کے لئے شیعہ فقہاء کے لئے حدیث سے ہمیشہ سروکار رکھنا پڑتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مکتب اہل بیتؑ کی حدیث کی مشہور چار بنیادی کتابوں (کتب اربعہ) کے علاوہ بھی شیعہ محدثین

نے اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق حدیث کے عظیم مجموعے تدوین کیے ہیں اور بہترین تحقیقی آثار اسلامی معاشرے کے سپرد کئے ہیں۔

ایک عرصے سے اُردو زبان میں شیعہ مکتب میں حدیث سے متعلق ہونے والے کام کے تعارف کی اشد ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ لہٰذا "نور معرفت" کی ٹیم نے موجودہ شمارہ، اسی ضرورت کے تحت مرتب کیا ہے اور اس شمارے میں مکتب امامیہ کے نزدیک حدیث کی اہمیت ،ضرورت اور آغاز سے ہونے والی تحقیقات اور منابع حدیث کے تعارف پر مبنی چند مقالات شامل کئے گئے ہیں۔ گو کہ یہ شمارہ ہم حدیث نمبر کے عنوان سے پیش کررہے ہیں، لیکن اسے ہم امامیہ حدیث کا مکمل تعارف نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ اس کے مکمل تعارف کے لئے کئی شماروں کی ضرورت ہوگی ،اسے نقطہ آغاز ہی سمجھیں۔ انشاء اللہ امامیہ محدثین اور فقہاء کی حدیث کے میدان میں خدمات اور تحقیقات کے تعارف کے لئے ہم مذید شمارے بھی شائع کرنے کی سعی کریں گے۔

نور معرفت کے اس شمارے میں امامیہ کے اولین حدیثی مکتوبات میں نقل حدیث کے طریقے، ائمہ اطہارؑ کی جانب سے حدیث کے ذخائر کی حفاظت، نشرواشاعت اور ترویج کے لئے کی گئی کوششوں ، مکتب امامیہ میں تدوین حدیث کی تاریخ ،حدیث کے تعارف ،اہمیت اور افادیت اور مکتب امامیہ میں اہل حدیث (اخباریت) ،کتب اربعہ کے اجمالی تعارف ، امام علی علیہ السلام کی نگاہ میں رواۃ حدیث کی اقسام اور راوی کے قابل وثوق ہونے کے طریقوں سے متعلق چند مقالات پیش کئے گئے ہیں۔

یہ مقالات کس حد تک اہل بیتؑ کے حدیثی مکتب کا تعارف کراس کے ہیں؟ اس کا فیصلہ نور معرفت کے قارئین ہی کرسکیں گے۔ ہمیں اُمید ہے نور معرفت کی ٹیم کی اس ناچیز سی کوشش سے جہاں علم حدیث کے تشنگان کی پیاس کا سامان فراہم ہوگا، وہاں اسلامی مسالک کے درمیان حدیث اور علوم حدیث کے میدان میں تعامل میں اضافہ بھی ہوگا اور ایک دوسرے کے علمی مشاغل سے آگاہی حاصل ہوسکے گی۔ اور یہ آگاہی وتعامل اسلامی یکجہتی اور بین المسالک افہام و تفہیم میں اضافے اور شکوک وشبہات کے ازالے کا سبب بنے گا۔

☆☆☆☆☆

اسلام میں سنّتِ نبویؐ کا مقام

علامہ مرتضٰی عسکری*
مترجم سید حسنین عباس گردیزی

کلیدی کلمات: سنّتِ نبویؐ، مذہبِ اہل بیتؑ، اصل، بصائر الدرجات، الجامعہ، کتاب علیؑ۔

خلاصہ

اہل بیتؑ کے پیروکار اللہ تعالٰی کے فرمان: ''جو کچھ تمہیں رسولؐ دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ'' کی روشنی میں اسلامی احکام اللہ کی کتاب کے بعد رسول اللہؐ کی سنت سے حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امامیہ فقہا نے ہمیشہ احکام کے استنباط میں قرآن کے بعد سنتِ رسولؐ کی طرف رجوع کیا ہے اور حدیث کی چار کتب الکافی، من لایحضرہ الفقیہ، الاستبصار اور التہذیب کو اپنا مرجع قرار دیا ہے۔ ان کتب کے مؤلفین نے احکام کو ''اصول'' سے اخذ کیا ہے۔ اصطلاح میں ''اصل'' سے مراد وہ تألیف ہے جس کی احادیث کو اس کے مؤلف نے براہ راست اہل بیتؑ سے لیا ہو یا ایسے شخص سے نقل کیا ہو جس نے براہ راست امام معصوم سے روایت بیان کی ہو۔

اس سلسلے میں ائمہؑ سے منقول کئی روایات کے مطابق پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو دیگر ائمہؑ کے لئے حدیث تحریر کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی اس کتاب کو "الجامعہ" کہا جاتا ہے۔ اس کتاب کی املاء خود رسول اکرم ﷺ نے کروائی۔ کئی روایات میں ائمہ ہدیٰؑ کا "الجامعہ" کی طرف رجوع کرنا ذکر ہوا ہے۔ اصحابِ ائمہ میں سے بھی چند ایک نے "کتاب علیؑ" کو دیکھا ہے۔ پس کتب اربعہ کے مؤلفین نے ان کتب کو جن اصول سے لیا ہے ان کے مدوّن کرنے والوں نے ان احادیث کو ائمہ اہل بیتؑ سے اور ائمہ اہل بیتؑ نے انہیں خود نبی اکرم ﷺ سے لیا ہے جس سے اسلام میں سنّتِ نبوی کی اساسی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔

---

*۔ عالم اسلام کے عظیم ایرانی محقق اور مایہ ناز مؤلف۔

مقدمہ

مذہب اہل بیتؑ کے پیروکار (شیعہ امامیہ) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا" (1) کی روشنی میں اسلامی احکامات (خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا فقہ سے) اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے حاصل کرتے ہیں۔ اس بات کی واضح ترین دلیل یہ ہے کہ امامیہ فقہا نے چوتھی صدی ہجری سے استنباط احکام میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا ہے اور اس سلسلے میں حدیث کی چار کتب کافی، مؤلف شیخ کلینی (م:329ہجری)، من لایحضرہ الفقیہ مؤلف شیخ صدوق (م:381ہجری) استبصار اور تہذیب مؤلف شیخ طوسی (م:460ہجری) کو اپنا مرجع قرار دیا ہے۔ ان کتب کے مؤلفین نے احکامات کو "اصول" سے اخذ کیا ہے۔ امامیہ محدثین کی اصطلاح میں "اصل" سے مراد وہ تألیف ہے، جس کی احادیث کو اس کے مؤلف نے براہ راست اہل بیت علیہم السلام سے لیا ہے یا اس سے نقل کیا ہے جس نے براہ راست امام معصوم سے بیان کیا ہے۔ (2)

ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ جو بھی حدیث بیان کرتے ہیں یا کوئی فتویٰ دیتے ہیں تو یہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور بیان ہوتے ہیں۔ امام صادق علیہ السلام سے جب ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے اُسے اسی طرح کا جواب دیا۔ اس شخص نے پوچھا اگر ایسا ویسا ہو جائے تو اس بارے میں آپؑ کی رائے کیا ہوگی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: خاموش! میں جو بھی تمہیں جواب دیتا ہوں وہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اور قول ہوتا ہے اس کے بارے میں کہ اُنھیں کیا کہنا چاہیے تھا، اس سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ (3)

بصائر الدرجات میں بیان ہوا ہے: "جب بھی میں تمہیں جواب دوں یہ رسول خدا ﷺ کی بات ہوتی ہے ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔" (4)

علامہ مجلسی کہتے ہیں: جب سوال کرنے والے نے امام علیہ السلام سے چاہا "کہ اپنے ظن اور اجتہاد سے اخذ شدہ اپنی رائے بیان کریں" تو امام علیہ السلام نے اس ظن سے منع فرمایا اور اس کے لئے واضح کر دیا۔ سید المرسلین کی طرف سے قطعی اور یقینی طور پر جو کچھ ان تک پہنچا ہے وہ اس سے ہٹ کر کچھ بیان نہیں کرتے۔ (5) نیز بصائر الدرجات میں سماعہ سے نقل ہوا کہ راوی نے کہا میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے

عرض کیا: جو کچھ آپؑ نے بیان فرماتے ہیں کتاب خدا اور اس کے رسول کی سنت میں موجود ہے یا اپنی طرف سے کہتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا:

"جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ میں سے ہوتا ہے۔" (6)

انہوں نے اپنی سند سے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اگر ہم اپنی طرف سے یا اپنی خواہشات کے مطابق لوگوں کے لئے فتویٰ دیں تو ہم ہلاک ہونے والوں میں سے قرار پائیں گے، لیکن یہ بات تو رسول خداﷺ کا قول ہے۔ ہمارے پاس علم و دانش کا ایک سرچشمہ ہے، جسے ہم میں سے ہر ایک، یکے بعد دیگرے بطور ارث پاتا ہے، جس طرح لوگ اپنے سونے چاندی کو چھپا کر رکھتے ہیں ہم اسی طرح اس خزانے کی حفاظت کرتے ہیں۔" (7)

اس طرح کی روایت تین سندوں سے امام باقر علیہ السلام سے اس کتاب میں نقل ہوئی ہے۔ (8) مؤلف نے اپنی سند سے ابو جعفر باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"ہم اگر اپنی طرف سے بات کریں گے تو ہم بھی ان افراد کی طرح گمراہ ہو جائیں گے جو ہم سے پہلے گمراہ ہوئے ہیں، لیکن ہم اپنے ربّ کی جانب سے حجت اور دلیل کی بناء پر بات کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرﷺ کے لئے واضح کیا ہے اور پیغمبر اکرمﷺ نے اُسے ہمارے لئے واضح اور روشن فرمایا ہے۔" (9)

دوسری روایت مؤلف نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"ہمارے ربّ کی طرف سے حجت اور دلیل ہے جسے اس نے اپنے رسولﷺ کے لئے واضح کیا ہے اور آنحضرتﷺ نے اُسے ہمارے لئے بیان کیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم بھی دیگر لوگوں کی طرح ہوتے۔"

تیسری روایت انہوں نے اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم ہم اپنی خواہشات کے تابع ہو کر اپنی طرف سے کوئی چیز نقل نہیں کرتے ہم اپنے ربّ کی کہی ہوئی بات کے سوا کچھ بیان نہیں کرتے (یہ علوم) ایسا اصول ہیں، جسے ہم اپنے پاس ذخیرہ رکھتے ہیں جس طرح لوگ سونے چاندی کے خزانہ کی حفاظت کرتے ہیں۔" (10)

پس ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی احادیث اور اقوال کا سرچشمہ ان کے جد امجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ گذشتہ احادیث میں ائمہ ہدی علیہم السلام نے بڑے واضح انداز میں کہا ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، بلکہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ بعض احادیث جن میں ائمہؑ نے اپنے اقوال کی نسبت اپنے جدِامجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دی ہے، یہاں بیان کی جاتی ہیں:

بصائر الدرجات اور شیخ حر عاملی (م: 1104 ہجری) کی کتاب وسائل الشیعہ اور دیگر کتب میں پانچ سندوں سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"اِنّ اللهعلّم رسوله الحلال والحرام والتأويل وعلّم رسول اللهصلى الله عليه وآله وسلم علمه كلّهعليّاًعليه السلام"

یعنی: "اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام اور تأویل و تفسیر کی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تعلیم دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تمام علوم علی علیہ السلام کو تعلیم فرمائے۔" (11)

ایک اور حدیث میں بیان ہوا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

" اِن الله تعالیٰ علّم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم القرآن وعلّمه أشياء سوى ذلك علّم الله رسول فقد علّم رسوله عليّاًعليه السلام "

یعنی: "اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس کے علاوہ کچھ علوم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا اور تعلیم دیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو سکھادیا۔" (12)

مذکورہ کتاب میں مؤلف نے اپنی سند سے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"كنت اذاسألت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أجابني وإن فنيت مسائلي ابتدأني فما نزلت عليه آية في ليل ولانهار ولاسماء ولاأرض ولادنيا ولا آخرة ولاجنة ولانار ولاسهل ولاجبل ولاضياء ولاظلمة اِلا أقرأنيها وأملاها عليّ وكتبتها بيدي وعلّمني تأويلها وتفسيرها ومحكمها ومتشابهها وخاصّها وعامّها وكيف نزلت وأين نزلت وفيمن أُنزلت اِلى يوم القيامة ودعاالله لي أن يعطيني فهماًوحفظاًفما نسيت آية من كتاب الله ولاعلى من أُنزلت اِلا أملاه عليّ"

یعنی: "جب بھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا آپ ﷺ نے مجھے جواب دیا، اگر میرے سوالات ختم ہو جاتے تو آپ ﷺ خود مجھ سے باتیں بیان فرماتے۔ آنحضرت ﷺ پر دن اور رات میں، زمین و آسمان، دنیا و آخرت، بہشت اور دوزخ کے بارے میں کوئی بھی آیت جو صحرا یا پہاڑوں پر یا رات کی تاریکی یا دن کی روشنی میں نازل نہیں ہوئی مگر آنحضرت ﷺ نے اُسے مجھ پر قرائت کیا ہے اور مجھے لکھوایا ہے اور میں نے اپنے ہاتھوں سے اُسے لکھا ہے آپ ﷺ نے مجھے تأویل و تفسیر، محکم و متشابہ اور خاص و عام کی تعلیم دی اور مجھے بتایا کہ یہ آیت کب، کہاں، کیسے اور کس کے بارے میں قیامت تک کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور میرے لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ وہ مجھے سمجھنے اور یاد رکھنے کی قوت عنایت فرمائے۔ اور میں قرآن کی کسی ایک آیت کو بھی نہیں بھولا اور کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اسے بھی یاد رکھا ہے، کیونکہ اسے رسول خدا ﷺ نے مجھے تحریر کروایا ہے۔" (13)

بصائر الدرجات میں ہی مذکور ہے کہ راوی نے زید بن علی سے نقل کیا ہے اور اُنھوں نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں کبھی آسودہ خاطر نہ ہوا اور نہ ہی رسول خدا ﷺ نے مجھ سے عہد و پیمان لیا مگر یہ کہ اس دن جبرئیل علیہ السلام نے جو حلال و حرام یا سنت یا امر اور نہی آپ ﷺ پر نازل کیا اُسے آنحضرت ﷺ سے سیکھ اور حاصل کر لیا اور میں نے جان لیا کہ کس چیز اور کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں باہر نکلا تو معتزلہ سے میرا آمنا سامنا ہو گیا۔ اس بات کو میں نے ان کے سامنے بیان کیا انہوں نے کہا یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ ایک دوسرے سے جدا اور الگ ہوتے تھے (یعنی ایک سفر میں ہوتا تو دوسرا حضر میں) وہ کس طرح جان لیتے تھے؟ راوی بیان کرتا ہے میں دوبارہ زید کی خدمت میں گیا اور انہیں معتزلہ کی باتیں بتائیں۔ انہوں نے کہا: جن دنوں میں حضرت علی علیہ السلام باہر ہوتے اور آنحضرت ﷺ کے پاس موجود نہ ہوتے تو ان دنوں کو یاد رکھ لیا جاتا اور جب یہ دونوں ہستیاں آپس میں ملتیں تو رسول خدا ﷺ انہیں فرماتے: اے علیؑ! فلاں دن، فلاں آیت نازل ہوئی اور فلاں دن فلاں آیت اتری" اور اسی طرح آخری دن تک بیان فرما دیتے۔ راوی کہتے

ہیں: میں نے یہ جواب معتزلہ تک پہنچا دیا۔(14) طبقات ابن سعد کی تین حدیثیں مذکورہ حدیث کی تائید کرتی ہیں جنہیں ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

1. محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب علیہ السلام سے منقول ہے کہ علی علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپؑ کس طرح رسول خدا ﷺ سے دیگر اصحاب سے زیادہ حدیثیں نقل کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: "جب بھی آنحضرت ﷺ سے پوچھتا تھا وہ مجھے آگاہ فرماتے تھے اور جب میں خاموش ہو جاتا تو وہ خود مجھے بتاتے تھے۔"
2. سلیمان احمسی نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا:
اللہ کی قسم ﷺ کوئی آیت بھی نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں نے جان لیا کہ کس چیز یا کس شخص کے بارے میں اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ میرے پروردگار نے مجھے صاحب ادراک دِل اور رسا اور گویا زبان عطا کی ہے۔"
3. مصنف نے ابو طفیل سے نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا:
"اللہ کی کتاب کے بارے میں مجھ سے پوچھو اس لئے کہ قرآن کی کوئی بھی ایسی آیت نہیں کہ جس کے بارے میں، میں نہ جانتا ہوں کہ رات میں اتری یا دن میں، صحرا میں نازل ہوئی یا پہاڑی علاقے میں۔" (15)

اسی طرح تین اور روایات جو سنن نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں منقول ہیں، ہماری بات کی تائید کرتی ہیں۔ یہ نسائی کے الفاظ ہیں:

1) عبداللہ نجی سے بیان ہوا ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے نزدیک میرا خاص مقام تھا کہ جو کسی اور شخص کو حاصل نہ تھا۔ میں ہر سحر گاہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور سلام عرض کرتا۔ السلام علیکم یا نبی اللہ ﷺ، اگر رسول خدا ﷺ تنحنح فرماتے (یعنی کھانستے) تو میں واپس اپنے گھر پلٹ آتا ورنہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔
2) علی علیہ السلام نے فرمایا: میں خاص اوقات میں رسول خدا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا، میں جب بھی ان کی خدمت میں آتا ان سے اجازت طلب کرتا اگر آپ ﷺ نماز میں ہوتے تو "تنحنح" فرماتے۔ اگر نماز سے فارغ ہو چکے ہوتے تو مجھے داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرماتے۔

3) حضرت علی علیہ السلام کا ہی قول ہے میں دو اوقات میں حضور ﷺ کی خدمت میں مشرف ہوتا۔ ایک رات کے وقت اور ایک دن میں، اور جب بھی رات کو حاضری دیتا تو آپ ﷺ تنخنح فرماتے تھے۔(16)

ایسی احادیث جو حضرت علی علیہ السلام کے رسول خدا ﷺ سے علوم دریافت کرنے کے بارے میں ہیں ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس کے بعد ہم ایسی احادیث بیان کریں گے جو یہ دلالت کرتی ہیں کہ آئمہ ہدی علیہم السلام نے اپنے علوم کو اپنے باپ علی علیہ السلام سے حاصل کیا ہے یہ کام رسول خدا ﷺ کے حکم سے انجام پایا گیا۔

پیغمبر اکرمؐ کا حضرت علیؑ کو دیگر ائمہؑ کے لئے تحریر کرنے کا حکم

شیخ صدوق کی امالی، بصائر الدرجات اور ینابیع المودۃ میں مذکور ہے (البتہ حدیث کے الفاظ کتاب امالی سے ہیں) کہ احمد بن محمد بن علی۔۔۔نے اپنے آباء طاہرین سے بیان کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے علی علیہ السلام سے فرمایا: جو میں آپ کو املاء کرا رہا ہوں۔ اسے لکھ لو۔ میں نے عرض کیا۔ کیا آپ ﷺ کو میرے بھول جانے کا اندیشہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تیرے بھول جانے کا ڈر نہیں ہے کیونکہ میں نے تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے کہ وہ تمہیں نسیان سے محفوظ رکھے۔ اسے اپنے شریک کاروں کے لئے محفوظ کرو۔

میں نے عرض کیا: میرے شریک کار کون ہیں؟ فرمایا: وہ پیشوا اور آئمہؑ جو تیری اولاد ہیں۔(17)

حضرت علی علیہ السلام نے "مسکن" (ایک علاقے کا نام) میں اپنے بیانات میں اسی مطلب کی طرف اشارہ فرمایا ہے: جیسا کہ ابوارا کہ نے نقل کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہم "مسکن" میں علیؑ کے ہمراہ تھے اور اس موضوع پر کہ علی علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار وراثت میں پائی ہے، بحث کر رہے تھے بعض کہہ رہے تھے ان کو خچر وراثت میں ملا ہے اور بعض کی رائے تھی کہ صحیفہ اور تحریریں تلوار کے قبضے سے آپؑ کو وراثت میں ملی ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ باہر تشریف لائے اور ہم اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا:

اللہ کی قسم ! اگر مجھے فرصت مل جائے اور طاقت بھی ہو تو تمہارے ساتھ اتنی گفتگو کروں کہ ایک سال گذر جائے اور ایک لفظ کا بھی تکرار نہ کروں۔ قسم بخدا میرے پاس بہت سارے صحیفے ہیں جو رسول خداﷺ اور ان کے اہل بیتؑ کی میراث ہیں۔(18)

حضرت علی علیہ السلام کی کتاب کا نام

بصائر الدرجات اور کافی میں اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "واللہ اِنَّ عندنا لجلدی ماعزوضان اِملاء رسول اللہ ﷺ وخطّ علیؑ علیہ السلام واِنَّ عندنا لصحیفة طولها سبعون ذراعاً املاها رسول اللہ ﷺ وخطّها علیؑ علیہ السلام بیدہ واِنَّ فیها لجمیع مایحتاج الیہ حتیٰ اَرش الخدش "

یعنی: "اللہ کی قسم ! ہمارے پاس ایسی چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لوگ ہمارے محتاج ہیں ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو رسول اللہﷺ نے لکھوائی اور حضرت علی علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھوں سے اُسے تحریر کیا اور ایک صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے اس میں ہر حلال اور حرام موجود ہے۔"(19)

ائمہ اہل بیتؑ نے حضرت علی علیہ السلام کی اس کتاب کو جسے "الجامعہ" کہتے ہیں۔ جس میں انہیں رسول خداﷺ نے احکام املاء کروائے۔ چنانچہ اس حوالے سے کافی، وافی اور بصائر الدرجات میں امام صادق علیہ السلام سے چھ احادیث منقول ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"الجامعہ" ہمارے پاس ہے یہ ایک ایسا صحیفہ ہے جس کی لمبائی ستر (۷۰) ہاتھ اور وہ رسول خداﷺ کے ہاتھ ہیں، اسے آنحضرتﷺ نے اپنی زبان مبارک سے لکھوایا اور علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اُسے تحریر فرمایا، اس میں ہر حلال اور حرام کا ذکر ہے ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ ایک خراش کی سزا کیا ہے، اس میں مذکور ہے۔(20)

ایک حدیث میں انہوں نے فرمایا: " چمڑے کے ایک بڑے ٹکڑے پر جو دو کوہان والے اونٹ کی ران کے برابر ہے، لوگوں کی ضرورت کے تمام احکام درج ہیں، کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کا ذکر اس میں نہ ہو۔ یہاں تک خراش کا بدلہ کیا ہے۔ وہ بھی مذکور ہے۔" (21)

ایک اور حدیث میں بیان فرمایا:

"الجامعہ" نے کوئی بات نہیں چھوڑی، حلال وحرام کا علم اس میں ہے۔ قیاس کے حامیوں نے قیاس کے ذریعے علم ودانش کو پانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس کا نتیجہ علم سے دوری کے سوا کچھ نہیں نکلا۔ کیونکہ دین الٰہی قیاس کے ذریعے حاصل ہونے والا نہیں۔ (22)

امام علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، امام سجاد علیہ السلام اور امام باقر علیہ السلام نے علم کی کتب کو کس طرح ایک ہاتھ سے دوسرے میں دیا؟

اس بارے میں بصائر الدرجات میں مؤلف نے اپنی سند کے ذریعے حضرت صادق آل محمدؑ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: کتب (علم) حضرت علی علیہ السلام کے پاس تھیں، جب آپؑ کو عراق جانا پڑا تو آپؑ نے ان کتابوں کو حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا، جب امام علی علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو یہ کتب امام حسن علیہ السلام کی تحویل میں آگئیں ان کے بعد امام حسین علیہ السلام کے پاس رہیں پھر ان کے بعد امام علی بن حسین علیہ السلام اور پھر میرے والد گرامی امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس تھیں۔ (23)

امام علی بن حسینؑ

مناقب ابن شہر آشوب اور بحار الانوار نے اپنی اسناد کے ساتھ امام ابو جعفر الباقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام عراق کی طرف جانے لگے تو آپؑ نے اپنی وصیت ان کتابوں اور دیگر تبرکات کو زوجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا اور ان سے فرمایا: جب میرا بڑا بیٹا تمہارے پاس آئے تو جو میں نے آپ کو سپرد کیا ہے اس کے حوالے کر دینا۔ اس کے بعد جب امام حسینؑ شہید ہوگئے تو حضرت علی بن حسین علیہ السلام ام سلمہ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے وہ سب کچھ ان کے حوالے کر دیا جو امام حسین علیہ السلام نے ان کے سپرد کیا تھا۔ (24) ایک ایسی حدیث کافی میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ (25)

امام محمد باقرؑ

کافی، اعلام الوریٰ، بصائر الدرجات اور بحار الانوار میں منقول ہے کہ (عبارت کافی کی ہے) عیسیٰ بن عبداللہ نے اپنے والد اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب علی بن حسین علیہ السلام اپنے بستر

شہادت پر تھے۔ سب لوگ ان کے ارد گرد جمع تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے محمد بن علی الباقر علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور ان سے فرمایا:

اے محمد! "اس صندوق کو اپنے گھر میں لے جاؤ" پھر انہوں نے فرمایا: البتہ اس صندوق میں درہم اور دنیار نہیں ہیں بلکہ یہ علم سے پُر ہے۔ (26)

ایک اور حدیث میں بصائر الدرجات اور بحارالانوار میں عیسیٰ بن عبداللہ بن عمر نے جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

حضرت علی بن حسین علیہ السلام نے اپنے شہادت سے، پہلے ان کے پاس جو صندوق تھا، اُسے نکالا اور اپنے بیٹے سے فرمایا: اے محمد! اس صندوق کو اٹھالیں" باقی اولاد نے کہا اس میں ہمارا حصہ ہمیں دیں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم! اس میں تمہارے لئے کوئی چیز نہیں ہے اگر اس میں تمہارے لئے کوئی چیز ہوتی تو والد گرامی میرے سپرد نہ کرتے۔ اس صندوق میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلحہ اور کتب موجود تھیں۔ (27)

امام جعفر صادقؑ

کافی اور بصائر الدرجات میں حمران سے منقول ہے کہ لوگ یہ بات کرتے تھے کہ ایک سیل شدہ صحیفہ حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا گیا، میں نے اس بات میں حضرت ابو جعفر الباقر علیہ السلام سے سوال پوچھا: انہوں نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ودانش، اسلحہ اور باقی چیزیں حضرت علی علیہ السلام کو روثے میں ملیں، ان کے بعد یہ چیزیں امام حسن علیہ السلام کو ملیں پھر امام حسین علیہ السلام تک پہنچیں اور جب ہمیں قتل ہونے کا خوف لاحق ہوا تو اسے ہم نے جناب ام سلمہ کے حوالے کر دیا پھر بعد میں ان سے حضرت علی بن حسین علیہ السلام نے حاصل کر لیا۔"

میں نے عرض کیا: ہاں پھر آپؑ کے والد گرامی تک پہنچا اور پھر یہ سلسلہ آپؑ پر ختم ہوا اور آپؑ کے پاس وہ صندوق آگیا۔ امامؑ نے فرمایا: ہاں! (28)

عمر بن ابان سے منقول ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے ایک موضوع کے بارے میں سوال کیا جو لوگوں کے درمیان مشہور تھا کہ ایک صحیفہ جس پر سیل لگی ہوئی تھی، حضرت ام سلمہ کے سپرد کیا گیا" آپؑ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ودانش، اسلحہ اور جو کچھ وہاں موجود تھا وہ سب علی علیہ السلام کو ورثے ملا۔ پھر ان کے بعد یہ سب کچھ امام حسنؑ کو ملا، پھر ان کے بعد امام

حسینؑ کے پاس آیا۔ میں نے عرض کیا: پھر علی بن حسین علیہ السلام کو یہ وراثت ملی، ان کے بعد ان کے بیٹے تک منتقل ہوئی اور پھر آپؑ کو یہ ورثہ مل گیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔" (29)

امام موسی بن جعفر الکاظمؑ

بحار الانوار میں حماد صائغ نے بیان کیا ہے کہ میں نے معضّل بن عمر سے سنا ہے کہ میں امام صادق علیہ السلام سے سوال پوچھ رہا تھا کہ اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے۔ امام صادقؑ نے مجھے فرمایا: کیا تم (کتاب علیؑ کے مالک کو دیکھ کر خوش ہوگے؟ میں نے عرض کیا اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوگی؟ انہوں نے فرمایا: یہ شخص (امام موسیٰ کاظمؑ) کتاب علیؑ کا مالک ہے۔ (30)

امام علی بن موسیٰ الرضاؑ

علی بن یقطین سے منقول ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھے فرمایا:

"اے علی! (اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) یہ شخص (امام علی رضاؑ) میرا داناترین بیٹا ہے۔ میں نے اپنی کتابوں کو اسے ہدیہ کر دیا ہے۔"

ایک اور روایت میں علی بن یقطین سے مروی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپؑ فرمارہے تھے:

" میرا بیٹا علیؑ، میرے تمام بیٹوں کا سردار ہے میں نے اپنی کتابیں اُس کے سپرد کر دی ہیں" (31)

ائمہ ہدیٰ علیہ السلام کا "الجامعہ" کی طرف رجوع کرنا

ا۔ امام علی بن الحسینؑ

سب سے پہلے فرد جنہوں نے براہ راست "جامعہ علیؑ" سے روایت نقل کی ہے امام زین العابدین علی بن حسین علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ کافی، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب، معانی الاخبار اور وسائل الشیعہ میں آیا ہے۔ (حدیث کے الفاظ کافی کے ہیں) ابان سے منقول ہے کہ امام علی بن حسین علیہ السلام سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنے مال میں چیز (شیئ) کی وصیت کی تھی۔ آپؑ نے جواب میں فرمایا: کتاب علیؑ میں شیئ چھٹا حصہ ہے۔ (32)

۲۔امام باقرؑ

امام زین العابدین علیہ السلام کے بعد امام باقر علیہ السلام نے "جامعہ" سے روایت بیان کی ہے۔ خصال و عقاب الاعمال اور وسائل الشیعہ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: کتاب علیؑ میں تین خصوصیات اور خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے جس میں وہ پائی جائیں وہ ان کا برا انجام دیکھے بغیر نہیں مرتا۔ ظلم و ستم، قطع رحمی اور جھوٹی قسم، جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کو مقابلے اور جنگ کی دعوت دیتا ہے۔(33) اسی طرح امام باقر علیہ السلام نے "کتاب علیؑ" سے باپ اور بیٹے کے مال لینے اور بیٹے کی کنیز سے مباشرت کرنے کے بارے بھی بیان کیا ہے۔(34) شادی کے موقع پر عورت کے عیب چھپانے کے بارے میں بھی اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔(35) اور جھوٹی قسم کے متعلق بھی۔(36) محرم کے شکار کرنے کے بارے میں حکم کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ امیر المومنینؑ کی کتاب میں ہے۔(37) مزید فرمایا: اللہ تعالیٰ پر حسن ظن اور حسن خلق کے واجب ہونے کی بات بھی، کتاب علیؑ میں ہے۔(38)

گونگے شخص کی زبان کاٹنے کا حکم (39) جس نے زمین آباد کی ہو اور پھر اُسے چھوڑ دیا ہو، اس کا حکم (40) زکواۃ نہ دینے کا اثر (41) دانتوں کی دیت (42) انہوں نے ان سب کو کتاب علیؑ کے حوالے بیان فرمایا:

علی بن حسین علیہ السلام کے آزاد شدہ (مولی) غلام یعقوب بن میثم تمار امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں نے والد کی کتاب میں دیکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے میرے باپ سے فرمایا: اے میثم! آل محمد علیہم السلام کے دوست کو دوست رکھو۔۔۔ یہاں تک کہ فرمایا: میں نے رسول خداﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اس حدیث کو اصلی کتاب میں دیکھا جائے)۔۔۔"

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا یہ بات ہمارے پاس "کتاب علیؑ" میں اسی طرح ذکر ہے۔(43)

امام صادق علیہ السلام نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے "کتاب علیؑ" میں پڑھا ہے کہ رسول خداﷺ نے مہاجرین اور انصار اور اہل مدینے میں جو ان سے ملحق تھے، کے درمیان عہد و پیمان باندھا۔۔۔" (44)

۳۔امام صادقؑ

امام صادق علیہ السلام نے درج ذیل احکامات کو "جامعہ علیؑ" سے بیان فرمایا ہے:

رویت ہلال کے ذریعے چاند کا ثابت ہونا (45) ظہر کی نماز کا وقت فضیلت (46)، مخالفین (غیر شیعہ) کے ساتھ نماز جمعہ بجالانا (47)، بلی کے جھوٹے کا حکم (48)، محرم اگر مر جائے تو اس کا حکم، اس بارے میں تین احادیث ہیں (49)، طیلسان کے پہننے کے بارے میں (50)، محرم کے لئے بٹن والے لباس کا حکم (دو حدیث) (51) قطات کو مارنے کا کفارہ (2 حدیث) (52)، قطات کے انڈوں کے کفارے کا حکم تین حدیث (53) طواف میں اضافی چکر (شوط) کا حکم (54) عمرہ مفردہ کے متعلق (55) گناہان کبیرہ کی تعداد دو حدیث (56) اور جن مچھلیوں کا گوشت کھانا حرام ہے ان کی اقسام (چھ حدیث)۔ (57)

ائمہ اطہارؑ کے وہ اصحاب جنہوں نے "کتاب علیؑ" کو دیکھا ہے

1. ابو بصیر سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھے ایک صحیفہ دکھایا جس میں حلال وحرام اور میراث کے احکامات موجود تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ رسول خداﷺ کا لکھوایا ہوا ہے اور حضرت علیؑ کے ہاتھوں لکھا ہوا ہے۔ میں نے سوال پوچھا کیا یہ بوسیدہ نہیں ہوتا؟ انہوں نے جواب دیا کونسی چیز۔ اسے بوسیدہ کرے گی؟ میں نے کہا: کیا یہ پرانا نہیں ہوتا؟ جواب دیا: کیا چیز اسے پرانا کرے گی؟ انہوں نے مزید فرمایا: یہ "جامعہ" ہے یا "جامعہ" کا حصہ ہے۔ (58)
2. دو اسناد سے محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے "کتاب علیؑ" سے میرے لئے کچھ پڑھا، اس میں یہ مطلب تھا: میں تمہیں جرّی (حرام مچھلی کی ایک قسم) زمیر، سانپ مچھلی، طافی (جو پانی میں مر جائے اور پانی پر تیرنے لگے) اور طحال کے کھانے سے منع کرتا ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسول اللہﷺ! "یرحمک اللہ" میں چھلکے کے بغیر والی مچھلی لے آؤں گا۔ آپؑ نے فرمایا: "چھلکے والی مچھلی سے استفادہ کرو اور بغیر چھلکے والی مچھلی سے اجتناب کرو۔" اس سے پہلے امام صادق علیہ السلام سے متعدد اسناد کے ذریعے چھ احادیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ان سب میں یہی حکم "کتاب علیؑ" سے نقل کیا گیا ہے اور ان کے ماخذ کو حرام مچھلیوں کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا تھا۔ (59)

3. مذکورہ ماخذ میں ابو بصیر نے امام باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ میں امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں تھا آپؑ نے "جامعہ" طلب کیا اور اس میں دیکھا اس میں یہ مطلب موجود تھا: جو عورت

مر جائے اور اس کا اپنے شوہر کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو تو اس کا تمام مال اس کے شوہر کا ہوگا۔"(60)

4. عبدالملک بن اعین سے منقول ہے کہ اس نے کہا: امام باقر علیہ السلام نے کتاب علیؑ کا کچھ حصہ مجھے دکھایا۔(61)
5. اسی طرح بصائر الدرجات میں عبدالملک سے ہی مروی ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے اپنے بیٹے جعفرؑ سے کتاب علیؑ مانگی، وہ ان کے پاس لے آئے وہ مرد کی ران کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ اور اس میں۔۔۔(62)
6. کافی اور تہذیب میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے ایک صحیفہ کو دیکھا جس میں دیکھتے تھے۔۔۔
7. ایک اور روایت میں محمد بن مسلم کہتے ہیں: ابو عبداللہ (امام صادقؑ) نے میراث والا صحیفہ کھولا پہلی چیز جو میں نے اس میں دیکھی وہ بھائی اور دادا کی وراثت تھی۔۔۔(63)
8. محمد بن مسلم کہتے ہیں۔ ابو جعفر باقر علیہ السلام نے میرے سامنے صحیفہ میراث کو پڑھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھوایا اور علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اُسے لکھا۔ اس میں، میں نے یہ مسئلہ پایا۔ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی ایک بیٹی اور ماں پیچھے رہ جائے تو اس کی بیٹی آدھا مال لے گی۔۔۔(یہ حدیث طولانی ہے)(64)

بنابرایں جو کچھ احادیث میں بیان ہوا ہے، جن میں بعض کو یہاں پر ذکر کیا گیا ہے، سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام اپنے اقوال اور روایات کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی طرف دیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال سے ہی باتیں نقل کرتے تھے جن کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے: وما ینطق عن الھوی ان ھو الاّ وحی یوحی۔(65)

اسی بنا پر ہم کہتے کہ اہل بیتؑ کی احادیث کی سند ایک ہے ان کی حدیث ایک ہی حدیث ہے اور ان کی بات ایک ہے۔ اس لئے امام باقر علیہ السلام نے جابر سے فرمایا تھا جب اس نے یہ عرض کیا تھا کہ جب آپؑ حدیث بیان کریں تو مکمل سند کے ساتھ فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: میرے والد گرامی نے رسول

خداﷺ سے انہوں نے جبرئیل علیہ السلام سے اور اس نے اللہ تعالیٰ سے بیان کیا ہے۔ اور جو کچھ میں تم سے بیان کروں اس کی سند یہی ہے۔(66)

اسی دلیل کی بناء پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے جیسا کہ ان کے بہت سارے شاگردوں نے نقل کیا ہے، فرمایا ہے: میرا قول میرے والد کا قول ہے، میرے والد کا قول ہے میرے دادا کا قول ہے، میرے دادا کا قول امام حسینؑ کا قول ہے، حسینؑ کا قول، حسنؑ کا قول ہے، حسنؑ کا قول، امیر المومنین علیؑ کا قول ہے، امیر المومنینؑ کا قول رسول اللہ ﷺ کا قول ہے، رسول اللہ کا قول، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا قول ہے۔(67)

اسی لئے جب حفص بن بختری نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپؑ سے حدیث سنتا ہوں مجھے نہیں معلوم ہی آپؑ کی حدیث ہے یا آپؑ کے آباء طاہرینؑ کی۔ اس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا: جو حدیث آپ مجھ سے سنیں اُسے میرے والد سے نقل کریں اور جو میرے والد سے سنی ہے اسے رسول خداﷺ سے نقل کرو۔(68)

اسی طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام اس "جامعہ" سے احادیث بیان کرتے تھے، جسے رسول اللہ ﷺ نے لکھوایا اور علی علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اُسے لکھا تھا۔

یہیں پر ہم اس نکتہ کو پھر یاد دلاتے ہیں کہ احادیث کی کتب اربعہ الکافی، من لایحضرہ الفقیہ، استبصار اور تہذیب کے مؤلفین نے ان کتب کی احادیث کو اصول اور احادیث کے مدون چھوٹے چھوٹے کتابچوں سے حاصل کیا ہے۔ اور احادیث کے ان چھوٹے کتابچوں کے مدونین نے ان احادیث اور روایات کو ائمہ اہل بیتؑ سے سنا تھا۔ اور مقالے کی ابتداء میں ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ ائمہ اہل بیتؑ اپنی رائے اور اپنی طرف سے کوئی بات کرنے سے اجتناب کرتے تھے اور احکام کو بیان کرنے میں صرف "جامعہ" امام علیؑ سے نقل کرتے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود شیعہ فقہا قرآن کے علاوہ کسی کتاب کے مکمل صحیح ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ ہر حدیث کی کتاب میں موجود حدیث کی سند اور متن کی تحقیق کرتے ہیں اور اپنی تحقیقات کو بطور نتیجہ دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً فقہا کے نزدیک، کافی، معروف ترین کتاب حدیث ہے۔ اس کی تمام احادیث پر انہوں نے تحقیق اور چھان بین کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی کل 16199 احادیث ہیں ان میں

سے 5072احادیث صحیح ہیں، 144 حسن ہیں، 1118 موثق حدیث میں اور 312 قوی حدیث ہیں اس کے علاوہ 9485 ضعیف احادیث ہیں، ان کی مجموعی تعداد 16121 بنتی ہے۔

تدوین روایات میں اس تقسیم کا تعلق علامہ حلی (م: 726) کے زمانے سے راویوں کے درجے اور مرتبہ کے مشہور معیار سے ہے اور پھر اس زمانے کے علماء کی راویوں کے حالات سے معرفت اور آگاہی پر اس کا انحصار ہے۔ اس طرح مکتب اہل بیتؑ کے مدارس علمیہ نے تحقیق اور چھان بین کا دروازہ ایک دن کے لئے بھی بند نہیں کیا، بلکہ تمام ادوار میں حدیث کے میدان میں اپنی نتیجہ بخش کوششوں کو دو جہات سے جاری وساری رکھا:

1) احادیث اور روائی نصوص جو کہ احکام کو بیان کرنے والی ہیں، ان کو تحریری صورت میں لا کر محفوظ کیا گیا ہے۔

2) احادیث کی سند، متون، منطوق اور مدلول میں علمی بحثوں کو رواج دینے میں سعی و کوشش کی گئی ہے۔

اور آخر کار کتاب وسنت کی نصوص سے جو نتائج حاصل ہوئے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور کتاب وسنت کے مقابلے پر اجتہاد نہیں کیا۔ مذکورہ باتوں سے مجموعی طور پر شیعہ کی نظر میں سنت کا مقام اور مرتبہ واضح ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات

1 ۔ سورۂ حشر، آیت ۷

2 ۔ اصل کی تعریف کے لئے، الذریعۃ الی تصانیف الشیعہ ۲/۲۵ ۱۶۷ کی طرف رجوع کیجئے۔

3 ۔ کلینی، اصول کافی، مطبوعہ تہران، سال ۱۳۷۵ھ، ج ۱ ص ۸، ملا محسن فیض کاشانی (م: ۱۰۹۱ھ)، وافی، طبع ۱۳۲۴ھ، ج ۱، ص ۵۹۔

4 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات (م: ۲۹۰ھ طبع ۱۲۸۵ھ، ص۳۰۱۔
5 ۔شرح حدیث، از مرآۃالعقول محمد باقر مجلسی (م: ۱۱۱۱ھ)۔
6 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص۳۰۱ح: ۱
7 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص: ۲۹۹۔
8 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص: ۲۹۹ح: ۱وص ۳۰۰ح: ۴،۶
9 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ۲۹۹ح: ۲۔
10 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص۳۰۱،۳۰۰ح: ۵،۷،۱۰۔
11 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص۲۹۰ "باب فی امیر المؤمنین، ان النبی ص علّمہ العلم"؛ وسائل حرّ عاملی طبع ۱۳۲۳ھ ج ۳ص۳۹۱ح: ۱۹. متدرک الوسائل مطبوعہ ۱۳۲۱ھ، ج ۳، ص ۱۹۲ح: ۲۸ بحوالہ تفسیر عیاشی۔
12 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص۲۹۱،۲۹۰ح: ۳،۹ ۔
13 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص: ۱۹۸ح: ۳
14 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص: ۱۹۷ح: ۴
15 ۔طبقات ابن سعد، در حالات امام علی، مطبوعہ یورپ ۱۰۱/۲/۲، و پہلی حدیث کواحمد بن حنبل نے اپنی کتاب کے قلمی نسخے (فضائل علی بن ابی طالب) میں ذکر کیا ہے۔
16 ۔یہ تینوں روایات سنن نسایی (کتاب السہو) باب التنحنخ فی الصلاۃ ج ا، ص ۱۷۸ ،مطبوعہ بیروت ج ۳، ص ۱۲۔ روایت سوم: سنن ابن ماجہ کتاب الادب، باب الاستیذان ص ۱۲۲۲ح: ۳۷۰۸ ہے. روایت اول: مسند احمد ج ا، ص ۸۵ح: ۶۴۷ و دوّم: مسند ج ا، ص ۱۰۷ح: اور روایت سوم: مسند ج اص ۸۰ح: ۶۰۸. البتہ بخاری نے ابتدائے حدیث کو حذف کردیا ہے۔
17 ۔امالی شیخ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (م: ۴۶۰ھ) مطبوعہ مطبعۃ النعمان نجف اشرف ۱۳۴۷ھ، ح ۲ ص ۵۶۔اور بصائر الدرجات ص ۱۶۷، از ابی الطفیل از ابو جعفر۔
18 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص۱۴۹ ۔
19 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص۱۴۹ح: ۱۴وص ۱۵۴ح: ۷ وص ۱۴۲ح: ۱، واصول کافی ج ا، ص ۲۴۱۔
20 ۔اصول کافی ج ا، ص ۲۳۹ح: ۱، بصائر الدرجات ص ۱۵۲،۱۵۱۔ وافی، ج ۲ ص ۱۳۵
21 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص 142 و 149 تا: (عرض الأدیم).

22 ۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی ج ۱، ص ۵۷ ح: ۱۴، بصائر الدرجات ص ۱۴۶ و ۱۴۹، ۱۵۰۔ وافی ج ۱، ص ۵۸

23 ۔ بصائر الدرجات ص ۱۶۲

24 ۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴ ص ۱۷۲، بحار، ج ۴۶ ص ۱۸ ح ۳۔

25 ۔ اصول کافی ج ۱، ص ۳۰۴۔ إعلام الوری ص ۱۵۲. بحار ج ۴۶ ص ۱۶، مناقب ابن شہر آشوب ج ۴، ص ۱۷۲۔

26 ۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۰۵ ح: ۲. اعلام الوری ص ۲۶۰. بصائر الدرجات باب ۱ ص ۴۴. بحار ج ۴۶ ص ۲۹۹ ح: ۱. وافی ج ۲ ص ۸۳

27 ۔ کافی ج ۱ ص ۳۰۵ ح: ۱، وافی ج ۲ ص ۸۲ ج ۴ باب ۴، ص ۱۶۵، اعلام الوری ص ۲۶۰، بحار، ج ۴۶ ص ۲۹۹

28 ۔ کافی کتاب الحجۃ ج ۳ ص ۴۸، وافی ج ۲ ص ۱۳۳، بصائر الدرجات ص ۱۷۷ و ۱۸۶

29 ۔ کافی ج ۳ ص ۴۸، بصائر الدرجات ص ۱۷۴، ۱۸۴، کافی ج ۲، ص ۱۳۳

30 ۔ مجلسی، محمد باقر، بحار ج ۴۸، ص ۲۲ ح: ۳۴

31 ۔ الصفار، محمد بن حسن، بصائر الدرجات ص ۱۶۴ ح: ۷، ۹، ۸ وافی ج ۲، ص ۸۶

32 ۔ فروع کافی ج ۷ ص ۴۰ ح: ۱ باب: من اوصی بشی من مالہ. من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۵۱، معانی الأخبار ص ۲۱۷۔

33 ۔ شیخ صدوق؛ خصال، ص ۱۳۴، عقاب الاعمال ص ۲۶۱، وسائل ج ۱۶ ص ۱۱۹

34 ۔ فروع کافی ج ۴ ص ۱۳۶، ۱۳۵، استبصار ج ۲ ص ۴۸ وسائل ج ۱۲ ص ۱۹۵، ۱۹۴۔

35 ۔ حکم تدلیس عیب زن، در تہذیب ج ۷ ص ۴۳. وسائل ج ۱۴ ص ۵۹۷

36 ۔ اثر قسم دروغ، فروع کافی ج ۷ ص ۴۳۶، عقاب الاعمال از شیخ صدوق ص ۲۷۱، ۲۷۰. خصال ص ۱۲۴، وسائل ج ۱۶ ص ۱۲۲۔

37 ۔ حکم صید مُحرم، در فروع کافی ج ۴، ص ۳۹۰ ح: ۹۔

38 ۔ حُسنِ ظن بہ خدا، در اصول کافی ج ۲ ص ۷۲، ۷۱. وسائل ج ۱۱ ص ۱۸۱ ح: ۲۰۳۵۳

39 ۔ گونگے کی زبان کاٹنے کا حکم، در فروع کافی ج ۷ ص ۳۱۸ و من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۱۱ ۔

40 ۔ حکم آبادانی زمین موات، در فروع کافی ج ۵ ص ۲۷۹. تہذیب ج ۷، ص ۱۵۳. وسائل ج ۱۷ ص ۳۲۹ ح: ۳۲۲۳

41 ۔ زکات نہ دینے کا اثر، فروع کافی ج ۳، ص ۵۰۵ ح: ۱۷. وسائل ج ۶ ص ۱۳، ۱۴

42 ۔ دانتوں کی دیت، در کافی ج ۷ ص ۳۲۹. من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۰۴. تہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۴. واستبصار ج ۴ ص ۲۸۸. وسائل ج ۱۹ ص ۲۶۲، ح: ۳۵۷۱۵

43 ۔ روایت ابن میثم در مجالس شیخ طوسی مطبوعہ نجف ص ۲۵۸. وسائل ج ۱۱ ص ۴۴۴ ح: ۲۱۲۹۹

44 ۔ مہاجرین و انصار کے درمیان عہد نامہ لکھنے کی روایت، اصول کافی ج ۲، ص ۶۶۶. فروع کافی ج ۱ ص ۳۳۶، و ج ۴ ص ۳۱، ۳۰ در کتاب جہاد. وسائل ج ۸ ص ۴۷۸ ح: ۱۵۸۴۲، ج ۱۱ ص ۵۰

45 ۔ شیخ طوسی، استبصار ج ۳ ص، ۶۴ وسائل ج ۷ ص ۱۸۴ ح: ۱۳۳۵۲

46 ۔ وقت فضیلت ظہر، استبصار ج ۱ ص ۲۵۱، تہذیب ج ۲ ص ۲۳، وسائل ج ۳ ص ۱۰۵ ح: ۴۷۵۲ و ۱۰۷ ۔

47 ۔ اہل سنت کے ساتھ نماز جمعہ بجالانا، در تہذیب ج ۳ ص ۲۸، وسائل ج ۵ ص ۴۴ ح: ۱۹۵۵۰

48 ۔ بلی کا کھایا ہوا، فروع کافی ج ۱ ص ۹ ح: ۴، تہذیب ج ۱ ص ۲۷۷ وسائل ج ۱ ص ۱۶۴ ح: ۵۸۰

49 ۔ فوت ہو جانے والے محرم کا حکم، فروع کافی ج ۴ ص ۳۶۸ ح: ۳، وسائل ج ۲ ص ۶۹۷، ۶۹۶ ح: ۲۷۵۹ و ۲۷۶۱ و ۲۷۶۶

50 ۔ طیلسان، ایک لمبے قسم کا خاص لباس کہ جو آجکل الجزایر و مغرب (تیونس) میں رائج ہے۔

51 ۔ حکم مُحرم، در پوشیدن طیلسان، فروع کافی ج ۴ ص ۳۰۴ ح: ۷ و ۸. و من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۱۷. و علل الشرایع ج ۲ ص ۹۴. وسائل ج ۹ ص ۱۱۹ ح: ۱۶۸۲۲ و ۱۶۸۲۳۔

52 ۔ مُحرم کی طرف سے تیر پھینکنے کا کفارہ، در فروع کافی ج ۴ ص ۳۹۰ و تہذیب ج ۵ ص ۴۴ ح: ۱۱۹۰ و ۱۱۹۱

53 ۔ محرم کے لئے تخم قطات کا کفارہ، فروع کافی ج ۴ ص ۹۳۰ ، استبصار ج ۲ ص ۲۰۲ و ۲۰۳ و ۲۰۴، و تہذیب ج ۵، ص ۳۵۵ و ۳۵۷، وسائل ج ۹ ص ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۲۱۸ ح: ۱۷۲۲۳ ، ۱۷۲۲۵ ، ۱۷۲۲۹

54 ۔ طواف میں حکم شوطِ اضافہ ، استبصار ج ۲ ص ۲۴۸، سرائر ص ۴۴۶، وسائل ج ۹ ص ۴۳۸ و ۴۳۹ ح: ۱۷۹۷۴ ۔

55 ۔ حکمِ عمرہ مفردہ، فروع کافی ج ۴، ص ۵۳۴ ح: ۲، وسائل ج ۱۰ ص ۲۴۴ ح: ۱۹۲۷۵

56 ۔ تعداد گناہان کبیرہ، اصول کافی ج ۲، ص ۲۷۸، ۲۷۹، وسائل ج ۱۱ ص ۲۵۴ ح: ۲۰۶۳۱ خصال ج ۱، ص ۲۷۳ ؛ علل الشرایع ج ۲، ص ۱۶۰۔

57 ۔ مچھلی کی بعض اقسام کی حرمت، در کافی ج ۶، ص ۲۲۰، تہذیب ج ۹ ص ۲، ۴، ۵، ۶۲، استبصار ج ۴، ص ۵۹، وسائل ج ۱۶، ص ۳۳۴، ۳۳۵، بحار ج ۱۰ ص ۲۵۴۔

58 ۔ الصفار، محمد بن حسن، بصائر الدرجات ص ۱۴۴۔

59 ۔ ”وہ مچھلی جسکا کھانا حرام ہے“، فروع کافی، ج ۶، ص ۲۱۹، وسائل ج ۱۶ ص ۳۳۲ و ۴۰۰ ح: ۳۰۱۵۷

60 ۔ الصفار، محمد بن حسن، بصائر الدرجات ص ۱۴۵۔

61 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص ۱۶۲

62 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ص ۱۶۵ح: ۱۴. وسائل ج ۱۷ص ۵۲۲ح: ۳۲۸۳۶

63 ۔الصفار, محمد بن حسن, بصائر الدرجات ج ۷ ص ۱۱۳، تہذیب ج ۹ص ۳۰۸. وسائل ج ۱۷ص ۸۷ وص ۴۸۶ح: ۳۲۷۰۲

64 ۔ کلینی، کافی، باب میراث فرزند با پدر ومادر، ج ۷ ص ۹۳. من لایحضرہ الفقیہ ج ۴، ص ۱۹۲، تہذیب ج ۹، ص ۲۷۰

65 ۔سورۂ نجم، آیت ۴

66 ۔مفید، امالی شیخ مفید ص ۲۶

67 ۔ کلینی، کافی، ج ۱، ص ۵۳، ارشاد مفید، ص ۲۵۷۔

68 ۔عاملی، شیخ حر، وسائل ج ۳، ص ۳۸۰ح: ۸۶۔

امامیہ کتبِ حدیث میں نقلِ حدیث کے طرق

سید علی رضا کاظمی*
aliraza7429@gmail.com

کلیدی کلمات: متعدد طرق، کتبِ اصحاب آئمہؑ، اصولِ اربعمائۃ، فہرست النجاشی، فہرست الطوسی

خلاصہ

"طُرق" طریق کی جمع ہے جس کا معنی راستہ، وسیلہ یا ذریعہ ہے۔ لہٰذا نقلِ حدیث کے طرق سے مراد، وہ ذرائع، وسائل اور اسلوب ہیں جن کے ذریعے حدیث کو نقل کیا جاتا ہے۔ اس مقالہ میں شیعہ امامیہ کے ہاں حدیث کے نقل و بیان کے اُن وسائل، اسلوب اور ذرائع کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کے ذریعے معصومین علیہم السلام کی احادیث آپ کے شیعوں تک پہنچی ہیں۔ مقالہ کے مطابق اصحاب ائمہ علیہم السلام نے ائمہ معصومین علیہم السلام سے بالواسطہ یا بلاواسطہ جو احادیث نقل کی ہیں، یہ نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی ایک ایسے دور تک پہنچتی ہیں جو کتب اربعہ کے مؤلفین کا دور کہلاتا ہے۔ یوں یہ احادیث اصلی مأخذ سے منتقل ہوئی ہیں۔

تاہم دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ احادیث شیعہ محدّثین تک ائمہ کے اصحاب سے متعدد طرق (مختلف راویوں اور مختلف کتب) کے ذریعے منتقل ہوئیں یا ان کا طریق واحد (فقط ایک ہی راوی اور ایک ہی کتاب) تھا؟ اس مقالے میں اس فرضیہ کو ثابت کیا گیا ہے کہ اصحابِ ائمہؑ کی کتب "متعدد طرق" ہی کے ذریعے بعد کے دور کے علماء و محدثین تک منتقل ہوئی ہیں۔ مقالہ نگار کے مطابق یہ احادیث اصحابِ ائمہؑ کے مکتوبات، "شہرت" اور "متعدد طرق" سے محدثین تک منتقل ہوئی ہیں۔ لیکن کتب اربعہ کی تدوین کے بعد ان اصحاب کی کتب کے "طرق" کافی حد تک کم ہوتے چلے گئے؛ یہاں تک کہ بالکل متروک ہو گئے اور یہ امر متأخر علماء کے لئے ایک اجتہادی موضوع میں تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔

*۔ مذہبی سکالر و محقق (حوزہ علمیہ قم)

تعارف

یہ بات نہایت واضح و روشن ہے کہ ایک کلام کو منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اسے اس کی لفظی اور ذہنی حالت سے نکال کر کتبی صورت میں ثبت و ضبط کیا جائے۔ بالخصوص اگر یہ کلام ایسی حدیث ہو جو اسلامی معاشرے میں اہم اور مقدّس مقام رکھتی ہے تو اس کا یوں ضبط اور زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن کسی حدیث کو اس کی لفظی اور ذہنی حالت سے مکتوب صورت میں لانے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے کے لئے دو چیزوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ پہلی چیز، اس کلام یا حدیث کی ''اصالت اور عینیت'' ہے اور دوسری چیز، اس کی ''صیانت اور حفاظت'' ہے۔ احادیث کے لفظی اور ذہنی مرحلہ سے نکل کر کتبی مرحلہ تک پہنچنے کے لئے ناقل کے حافظے کا سالم ہونا بھی ضروری ہے۔ نیز حدیث کی کتابت کے مرحلہ پر اس کے الفاظ نہایت دقیق اور بعینہٖ الفاظ نقل ہونے چاہیں جو بیان ہوئے۔ کیونکہ ''نقل بہ معنا'' (الفاظ کی بجائے ان کا مفہوم و مطلب بیان کرنا) شفاہی طرزِ نقل سے کہیں کمتر ہے۔

شیعہ احادیث کا ایک امتیاز یہ ہے کہ روایاتِ معصومینؑ کو مکتوب صورت میں پیش کرنے کا طریقہ کار خود ائمہ معصومینؑ کے دور سے ہی رائج تھا۔ اور دوسری جانب ائمہ معصومینؑ نے خود تاکید فرمائی کہ ہماری احادیث کو لکھا کرو اور انہیں اپنی آئندہ نسل تک منتقل کرو۔(1) اس سلسلے کی ایک حدیث بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ مطلب واضح ہو جائے۔ امام صادق علیہ السلام، اپنے شاگرد مفضّل سے فرماتے ہیں:

''عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا، عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ الْبَرْقِيِّ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَيْبَرِي، عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ لِي أَبُوعَبْدِ اللهِ علیه السلام: اُكْتُبْ، وَ بُثَّ عِلْمَكَ فِي إِخْوَانِكَ، فَإِنْ مِتَّ فَأَوْرِثْ كُتُبَكَ بَنِيكَ؛ فَإِنَّهُ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ هَرْجٌ لَايَأْنَسُونَ فِيهِ إِلَّا بِكُتُبِهِمْ'' (2)

یعنی: "۔۔۔ لکھا کرو اور اپنے علم کو اپنے بھائیوں میں پھیلاؤ۔ پس جب تمہیں موت آئے تو اپنی کتب اپنی اولاد کو وراثت میں دے کر جاؤ کیونکہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ جب وہ اپنی کتابوں کے سوا کسی اور چیز سے مانوس نہ ہوں گے۔"

حضرت امام علیؑ نے پیغمبرِ گرامی اسلام ﷺ کے زمانے ہی میں اپنے دستِ مبارک سے احادیثِ نبویؐ کی تحریر وکتابت کا آغاز کیا۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ اصحاب و پیروان اہل بیت علیہم السلام میں، نسل در نسل قائم و دائم رہا ہے۔ مختلف تاریخی روایات کے مطابق، اصحابِ ائمہؑ مجلسِ تحدیث ہی میں روایات کو ثبت و ضبط کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ے تھے۔ بطور مثال، امام باقر اور امام صادق علیہما السلام کے جلیل القدر صحابی زرارہ جو احادیث، آئمہ معصومینؑ سے بلا واسطہ سنتے، تحریر کرلیا کرتے تھے اور ان کے پاس ہمیشہ تحریر وکتابت کے وسائل موجود ہوتے تھے۔ ایک دن امام صادقؑ سے نماز کے بارے میں سوال کیا تو اپنی الواح کو کھولا اور امامؑ کے جواب کو اس میں تحریر کیا۔۔ یہ تاریخی واقعہ جو ایک حدیثی خبر کی شکل میں بیان ہوا اصحاب ائمہؑ کی طرف سے ان کی روایات کے حفظ، ثبت و ضبط اور حدیث کی کتابت کا فقط ایک عملی نمونہ تھا۔

ائمہ معصومینؑ بھی حدیث کی کتابت اور اس کو ثبت و ضبط کرنے کی بہت تاکید کیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ خود انہی کے زمان حیات کے ایک مختصر دور میں سینکڑوں حدیثی مکتوبات (اصول) مدّون شکل میں معرض وجود میں آگئے اور بعض اوقات ان کے سامنے حدیثی نسخے مدوّن شکل میں پیش بھی کئے گئے، جس کی انہوں نے تائید بھی فرمائی (3) جو بعد میں "اصول اربعمائۃ" کے عنوان سے معروف ہوئے ہیں۔ (4)

کتاب کے انتقال کے "طریق" کی تعریف

اسلامی علوم کی رو سے "طریق" کی اصطلاح، دو معانی میں استعمال ہوتی ہے:

پہلا معنی "طریق" کا پہلا معنی عبارت ہے:

"الوسائط المتّصلہ بین الراوی و المرویّ عنہ و یعبّر عنہ بالسند" (5)

یعنی: "راوی اور مرویّ عنہ کے مابین متصل واسطے کہ جنہیں "سند" بھی کہا جاتا ہے۔ (6)

معمولاً طریق وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں ایک ہی روایت مختلف اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک سند کو جو بعض حصوں میں باہم مشترک ہوں، طریق کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک ہی روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مختلف طرق سے نقل ہوئی ہے؛ جیسے ایک زرارہ کے طریق سے اور دوسرے محمد بن مسلم کے طریق سے۔

دوسرا معنی: ''طریق'' کا دوسرا معنی جو متقدمین کی اصطلاحات میں رائج تھا، وہ اس روش یا طریقۂ کار کو کہتے ہیں جو کوئی مؤلف اپنی کتاب کو لکھتے وقت اس کے اصلی ماخذ سے مطالب نقل کرتے وقت بروئے کار لاتا ہے۔ یعنی یہ بتاتا ہے کہ میں نے یہ کتاب فلاں شخص سے اس طرح اخذ کی ہے۔ مثلاً قدیم علماء و محدّثین جیسے شیخ صدوقؒ، شیخ طوسیؒ، و نجاشیؒ اپنی کتب حدیث میں روایات کے مجموعے کو جن راویان حدیث سے نقل کرتے ہیں ان تمام روایوں سے نقل کے ذریعے کو بھی نقل کرتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب فلاں راوی سے اس کیفیت (طریق) سے نقل کی ہے اور اس طریق کو اپنی فہرست کی کتاب میں ایک دفعہ نقل کر دیتے ہیں پھر اس کے بعد وہ تمام روایات میں فقط اس آخری راوی کا نام نقل کرتے ہیں جس نے امامؑ سے بلا واسطہ احادیث کو نقل کیا ہے اور اس راوی کی روایات کا طریق اپنی ''فہرست'' (7) نامی کتاب میں یا ہر کتاب کے آخر میں ایک مشیخہ (8) بنا کر ذکر کر دیتے ہیں تا کہ اس راوی کی تمام روایات جو اس کتاب میں نقل ہوئی ہیں اس طریق سے ہم تک پہنچی ہیں اور یہ طریقہ، نقل روایات میں ان علماء کی انتہائی دیانتداری، ایمانداری اور امانتداری کی نشاندہی کرتا ہے۔ (9)

لہٰذا یہاں یہ جاننا بہت اہم ہے کہ اصول اربعہ مائہ (۴۰۰ حدیثی مجموعے جن میں اصحابِ آئمہؑ نے بلاواسطہ امامِ معصوم کی احادیث کو تحریر کیا) آنے والی نسلوں تک کیسے پہنچے اور اس سلسلے کے راویوں کا کردار کیا رہا؟ اور ان کا ان مجموعوں کے انتقال کا ''طریق'' کیا رہا؟ یعنی ایک کتاب کے مولف سے لے کر وہ کتاب آئندہ نسلوں تک کیسے منتقل ہوئی؟ آیا متعدّد طرق سے نقل ہوئی ہے یا طریق واحد سے؟

اس سوال کے جواب میں یہ بات مدّ نظر رکھنی چاہیئے کہ کسی بھی کتاب کا اپنے مؤلف سے منسوب ہونا ضروری ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ، راویان حدیث کے ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک حدیث کے منتقل ہونے میں جتنے بھی افراد اس کتاب کو نقل کر رہے ہیں وہ تمام کے تمام افراد اس کتاب کے نقل ہونے کے تمام مراحل میں بالواسطہ یا بلاواسطہ دخالت رکھتے ہیں اور اس کتاب کے علمی اور مستند ہونے کا دارومدار اس بات پر موقوف ہے کہ ان افراد یا راویوں کی علمی و رجالی حیثیت کا اعتبار کتنا ہے اور آیا ہر زمانے کے راوی ایک ہی طبقہ میں سے شمار ہوتے ہیں یا نہیں۔

لہٰذا اپنے بعد کے تمام طبقات میں نقل ہوتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ بعد کے طبقات میں تمام افراد موثّق ہیں تو تب وہ کتاب علمی حجّیت کا مقام حاصل کر سکے گی۔ لہٰذا قدیم علماء نے اس مسئلہ

کا حل اپنے ہی زمانے میں تلاش کیا اور ایک روایت سے لے کر پوری کتاب کے نقل ہونے کے تمام مراحل کو یا تو اپنی کتاب ''الفہرست'' میں ذکر کر دیا یا پھر ہر کتاب کے آخر میں ایک ''مشیخہ'' تیار کر دیا جس میں ان کے تمام اساتید و مشائخ کا نام ذکر ہوا ہے۔

مثلاً اگر شخص الف کی کتاب کے زمانے میں فقط ایک ہی راوی نے اس شخص سے اجازۂ روایت اخذ کیا اور اس کتاب کو روایت کیا ہو اور اگر بالفرض اس بات کا احتمال ہو کہ وہ راوی الف کی کتاب میں تبدیلی لے آیا ہو اور غلطی سے یہ کتاب شخص 'ب' سے منسوب کر ڈالی ہو اور 'الف' کی تمام روایات کو 'ب' کے نام پر نقل کر دیا ہو تو الف کی کتاب کی اصالت ہمیشہ مشکوک رہے گی۔ کیونکہ اب اس صورت میں یہ پوری کتاب ''خبرِ واحد'' کے حکم میں چلی جائے گی اور اس کی سنخ میں شامل ہو جائے گی۔

البتہ اگر انہی شرائط کے ساتھ الف کی کتاب کو نقل کرنے والے افراد کی تعداد تین ہو جائے یعنی تین افراد کو 'الف' نے اجازۂ روایت دیا ہو تو آئندہ نسلوں میں اس کتاب کے تین نسخے (الف۔۱، الف۔۲، الف۔۳) موجود ہوں گے۔ ۔اور ان تین نسخوں کے آپس میں موازنہ سے ان میں جو مشترکات سامنے آئیں گے تو ان سے اس کتاب کے مطالب کی اصالت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکے گا اور اس ذریعہ سے اس کتاب کو اس کے مولف سے نہایت آسانی سے منسوب بھی کیا جا سکے گا۔

البتہ بعض محقّقین کا خیال ہے کہ اصحابِ ائمہؑ کی کتب حکومتی دباؤ اور تقیہ جیسی مختلف سیاسی وجوہات کی بناء پر طریق واحد کے ذریعے بعد کے طبقات تک اور اسی طرح کتب اربعہ کے مولفین تک پہنچی ہیں۔(10) اس کے مقابل میں بعض علماء کا نظریہ ہے کہ اصولِ اصحاب کی شہرت اور ان کا اپنے زمانے میں رائج ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ جس میں ان کے طریق کے واحد یا متعدّد ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(11)

نظریہ '' تعدّد طرق'' متقدّمین کی نظر میں

شیخ صدوقؒ اپنی کتاب 'من لایحضرہ الفقیہ' کے مقدمے میں اپنی کتاب کی تمام روایات کو استخراج کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ مجموعہ روایات ان مشہور و معروف کتب سے اخذ کی گئی ہیں جو ہمارے نزدیک قابل اعتماد ہیں ''جَمِيعُ مَا فِيهِ مُسْتَخْرَجٌ مِنْ كُتُبٍ مَشْهُورَةٍ عَلَيْهَا الْمُعَوَّلُ وَ إِلَيْهَا الْمَرْجِعُ''(12)اس

بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ شیخ صدوقؒ اپنی کتاب کے مقدمے کے آخر میں، ان کتب تک رسائی کے طرق کا تعارف بھی کرواتے ہیں تاکہ ان کا مخاطب کتاب سے متعلق فہرست میں یا اس کتاب کے آخر میں پیش کیے گئے ''مشیخہ'' سے رجوع کے ذریعے ان کے اساتید و مشائخ تک بآسانی رسائی حاصل کرلے۔

سید مرتضٰی بھی اس بات کا ادّعا کرتے ہیں کہ ہماری تمام (بالجملہ) روایات کو خبر واحد سمجھنا درست نہیں ہے اور یہ روایات واخبار جو اصحابِ ائمہؑ سے مکتوب صورت میں ہم تک پہنچی ہیں، سراسر متواتر ہیں۔(13)

شیخ طوسیؒ اپنی دو عظیم کتب (تہذیب اور الاستبصار) میں احادیث کو سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اختصار کی غرض سے اسناد کی تلخیص کرتے ہیں اور اس اختصار کے سبب یہ معلّق روایات رفع کرنے کے لئے انہوں نے اپنی کتاب کے آخر میں ان کے تمام ماخذ کا ذکر ''مشیخہ'' میں نقل کر دیا ہے جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ تمام روایات اصول اور کتب اصحابِ ائمہؑ ہی کا مجموعہ ہیں۔اور ان میں سے بعض اصولِ اصحاب کے طرق متعدّد یا مشہور ہونے کا اعتراف بھی کیا ہے۔اور بعض دفعہ انہی کتب میں سے بعض اصحاب کی کتب کی شہرت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔(14)

معروف ترین شیعہ رجالی اور متخصّص ،احمد بن علی نجاشی نے تو اپنی مشہور ترین کتاب کی اساس بھی اسی مسئلہ پر رکھی ہے کہ جس میں وہ شیعہ مؤلفین کی فہرست اور ان کی مجموعہ تالیفات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جہاں نہ صرف وہ افراد کے نام اور ان کی تألیفات پر اکتفاء کرتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر، شیخ تک ان شخصیات کا سلسلہ اِسناد یا ان کتب تک رسائی کے مشہور طرق بھی ذکر کرتے ہیں۔البتہ وہ اپنے مقدمے میں صراحت سے لکھتے ہیں کہ میں نے کتاب کی طوالت سے بچنے کی غرض سے جو احادیث مختلف طرق سے مجھ تک پہنچی ہیں ان تمام طرق کا ذکر نہیں کیا: ''ذکرت لرجل طریقا واحدا حتی لا یکثر (تکثر) الطرق فیخرج عن الغرض.''(15)

نقلِ احادیث کی کثرتِ طرق کی عبارات

متقدمین کی کتب میں متعدد طرق سے نقل کے طریقہ کار کو انہی کی ہ کتب کی عبارات سے اخذ کیا جائے اور ان کا خلاصہ ایسی عبارت میں پیش کیا جائے جس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جائے کہ ائمہؑ کی تمام روایات متعدد طرق ہی سے ہم تک پہنچی ہیں۔ نجاشیؒ نے اپنی کتاب رجال کے مختلف حصوں میں مختلف انداز

میں ان عبارتوں کو بیان کیا ہے۔ اب ہر ایک عبارت جو کتب حدیث کو نقل کرنے کی کثرت و تعدد طرق پر دلالت کرتی ہے، اسے بطور نمونہ ذکر نیز بعینہٖ اس عبارت کا تکرار کی تعداد بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان نمونوں میں اصحابِ آئمہؑ کی کتب میں کثرت طرق کافی حدتک نمایاں ہے:

1. سليمان بن صالح الجصاص؛ روى عن أبي عبد الله عليه السلام، كوفي، ثقة، له كتاب يرويه عنه الحسين بن هاشم. أخبرنا الحسين بن عبيد الله قال: حدثنا أحمد بن جعفر قال: حدثنا حميد بن زياد عن الحسن بن محمد بن سماعه قال: حدثنا الحسين بن هاشم عن سليمان بن صالح بكتابه۔(16)

2. السندي بن الربيع البغدادي. له كتاب. رويناه بالإسناد الأوّل، عن ابن بطّة، عن الصفّار، عنه. (17)

یا شیخ نجاشیؒ نے اپنی معروف رجالی کتاب میں بعض ایسی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو ایک ہی کتاب کے متعدّد طرق کی نشاندہی کرتی ہیں۔مثلًا: يرويه جماعة، جیسی اِصطلاح کو ۶۷ باراستعمال کیا ہے۔(18)؛ يرويه عنه جماعة، ۳۸ بار،(19)، يرويه عدة من أصحابنا،۲۶ بار ،(20) رواه عنه جماعة، ۸ بار،(21)،يرويه عدة،۷ بار(22)، المعروفة، ۲ بار(23)

اس مختصر مقالہ میں اس مسئلے کو علمی طور پر مختلف قرائن و شواہد سے ثابت کیاگیا ہے کہ متقدمین شیعہ علماء و محدثین اپنی اکثر کتب کو اصحابِ ائمہؑ سے متعدّد طرق سے ہی نقل کرتے ہیں۔ جیساکہ نجاشیؒ اور شیخ طوسیؒ متعدّد مقامات پر اسے صراحت سے بیان کرتے ہیں۔

*****

حوالہ جات

---

1 ۔ شیعہ کتبِ حدیث میں کئی ابواب میں اس نکتہ پر تاکید کی گئی ہے۔ بعنوان مثال دیکھیے: الکافی ج۱، ص۵۱: باب روایۃ الکتب والحدیث و فضل الکتابۃ؛مشکاۃ الانوار فی غرر الاخبار، ص۱۴۲: الفصل التاسع فی الحث علی الکتابۃ ومایلیق بہ۔

2۔ کلینی، شیخ محمد بن یعقوب، الکافی (ط - دارالحدیث)، ج1، ص: 130-129،)، محقق/ مصحح: دارالحدیث، ناشر: دار الحدیث، قم، سال چاپ: ق1429، نوبت چاپ: اول۔

3۔ر۔ک ((عرضہ حدیث بر امامان)) : (قسمت اوّل)، ص۳۸ تا آخر مقالہ۔
4۔اگر صحیح تر عبارت کو مدّ نظر رکھا جائے تو، کتب اربعہ کے اصلی ماخذ یہی اصول و مولفات اصحاب آئمہ ہی ہیں کہ جو اصولی طور پر ۴۰۰ کی تعداد کے قریب قریب ہے۔
5۔ بحر العلوم، سید مہدی، الفوائد الرجالیہ؛ ج۳، ص۲۲۷، تہران: مکتبۃ الصادق، ۱۴۰۵ق۔
6۔ علی القاری، نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر، ص۱۵۷، بیروت: شرکۃ دار الارقم بن ابی ارقم۔
7۔فہرست سے مراد وہ مجموعی کتب ہے جس میں ہر مولف کا نام اس کی کتاب کے ساتھ ذکر ہوتا ہے۔اور اس میں اس مولف کا تعارف اور اس کی تمام کتب کا تذکرہ بھی موجود ہوتا ہے۔
8۔مشیخہ ان اسناد کی فہرست کو کہا جاتا ہے جس میں سند سے مشائخ تک کا واسطہ (وہ افراد جن سے وہ مولف روایت کر رہا ہے) یا وہ کتب کہ جن سے یہ روایت نقل ہوئی ہے، ان اساتید کو مشائخ کہا جاتا ہے۔
9۔شادی نفیسی، درایۃ الحدیث، ص۴۱، تہران: سمت، ۱۳۸۸ش۔
10۔خوئی، سید ابو القاسم، معجم رجال الحدیث و تفصیل طبقات الرواۃ، ص۲۲۔۲۴، قم: مرکز نشر آثار شیعہ، ۱۴۱۰ق۔
11۔ شیخ بہائی، محمد بن حسین عاملی، مشرق الشمسین، ص۲۶؛ الوافی، ج۱، ص۲۲، مشہد: مجمع البحوث الاسلامیہ، ۱۴۱۴ق۔
12۔ صدوقؒ، محمد بن علی، من لایحضرہ الفقیہ، ج1، ص: 3، قم: دفتر انتشارات اسلامی، ۱۴۱۳ق۔
13۔ علم الھدیٰ، سید مرتضیٰ علی بن حسین موسوی، رسائل الشریف المرتضیٰ، ج۱ص۲۶۔، قم: دار القرآن الکریم، اول، ۱۴۰۵ق۔
14۔ بطور مثال، ر۔ک: تھذیب الاحکام، ج۴، ص۱۶۹۔
15۔ نجاشی، احمد بن علی، رجال النجاشی، ص: 3 ناشر: مؤسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعہ المدرسین بقم المشرفہ
چاپ: قم، سال چاپ: 1365 ش۔ نوبت چاپ: ششم۔
16۔ ایضاً، ص: 184
17۔ شیخ طوسیؒ، فہرست کتب الشیعۃ و اصولہم و اسماء المصنفین و اصحاب الأصول (للطوسی) (ط - الحدیثۃ)، النص، ص: 229، ط - الحدیثۃ، ناشر: ستارہ، چاپ: قم سال چاپ: 1420 ق، نوبت چاپ: اول۔
18۔ ایضاً، ص، ۳۷
19۔ ایضاً، ص۲۰۔
20۔ رجال النجاشی، ص۲۷، ناشر: مؤسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعہ المدرسین بقم المشرفہ
چاپ: قم، سال چاپ: 1365 ش۔ نوبت چاپ: ششم۔
21۔ ایضاً، ص۲۷۔
22۔ ایضاً، ص۱۰۸۔
23۔ ایضاً، ص۱۰۱۔

نہج البلاغہ کی روشنی میں

احادیث کے اختلاف کے اسباب اور راویوں کی اقسام

سید رمیز الحسن موسوی*
srhm2000@yahoo.com

کلیدی کلمات: اختلافِ حدیث، ناسخ و منسوخ، مطلق و مقید، متعارض احادیث، صحابہ کرام، منافق۔

خلاصہ

نہج البلاغہ میں جہاں اسلامی تعلیمات کے مختلف موضوعات پر امام علی علیہ السلام کے خطبات کو جمع کیا گیا ہے، وہاں اس میں علمِ حدیث کے بارے بھی میں آپؑ کے کئی ارشادات بیان ہوئے ہیں۔اس مقالے میں حدیثِ نبویؐ کی اقسام اور احادیث میں اختلاف کے حوالے سے امیر المؤمنینؑ کے کلام کی روشنی میں چند مطالب پیش کیے گئے ہیں۔ نہج البلاغہ کے مطابق لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سب احادیث موجود ہیں۔
آپؐ کے مطابق خود آنحضرتؐ کے دور میں آپ کی طرف جھوٹی نسبتیں دی گئیں یہاں تک کہ آپ کو خطبہ دینا پڑا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ لہٰذا امام علیؑ کے نزدیک حدیث کے راویوں کی چار اقسام ہیں: یعنی منافق، خطاکار، شبہات میں مبتلا (شکوک و شبہات پیدا کرنے والے) اور سچے اور حدیث کے محافظ راوی جو فرامینِ نبویؐ کو پیش کرنے میں کسی قسم کی غلطی نہیں کرتے اور سرمایۂ حدیث کی مکمل حفاظت کرتے ہیں۔

*۔ محقق، مدیر سہ ماہی مجلّہ نور معرفت، اسلام آباد۔

نہج البلاغہ امام علی علیہ السلام کے خطبات کا مجموعہ ہے، جس میں مختلف دینی، تاریخی اور اسلامی معارف سے متعلق عناوین کے تحت امام علیہ السلام کے خطبات کو جمع کیا گیا ہے۔ نہج البلاغہ کی تالیف کا مقصد تو امام علیہ السلام کے کلام میں سے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اعلیٰ ترین کلام کو جمع کرنا تھا اور سید رضی رحمۃ اللہ علیہ نے ادبی فصاحت و بلاغت کو ہی مد نظر رکھ کے خطبات علیؑ کا انتخاب کیا ہے۔ لیکن یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ یہ بابِ علم نبیؐ کا کلام ہے جو فصاحت و بلاغت کے علاوہ دینی معارف وعلوم کا ایک عظیم الشان مجموعہ بھی ہے۔ جس میں جملہ علوم و معارف کے علاوہ علم حدیث کے بارے بھی میں امام علیہ السلام نے بہت ہی اہم نکات ذکر فرمائے ہیں۔اس مقالے میں حدیث نبیؐ کی اقسام اور احادیث میں اختلاف کے حوالے سے کلام امیر المؤمنینؑ کی روشنی میں چند نمایاں عناوین کو پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

حدیث کے بارے میں عام لوگوں کا رویہ

نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۰۸ میں مولا علی علیہ السلام نے سلیم ابن قیس ہلالیؓ جو امیر المومنین علیہ السلام کے رواۃ حدیث میں سے ہیں، (1) کے سوال کے جواب میں اختلافِ احادیث کے وجوہ و اسباب اور رواۃِ حدیث کے اقسام کی وضاحت کی ہے۔جب سلیم ابن قیس ہلالیؓ نے آپ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں، تو آپؑ نے فرمایا:

"إِنَّ فِي أَيْدِي النَّاسِ حَقّاً وَبَاطِلاً، وَصِدْقاً وَكَذِباً، وَنَاسِخاً وَمَنْسُوخاً، وَعَامّاً وَخَاصّاً، وَمُحْكَماً وَمُتَشَابِهاً، وَحِفْظاً وَوَهْماً، وَقَدْ كُذِبَ عَلَى رَسُولِ اللهِ(صلى الله عليه و آله وسلم) عَلَى عَهْدِهِ، حَتَّى قَامَ خَطِيباً، فَقَالَ: «مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"

یعنی: لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سبھی کچھ ہے، خود رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(2)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سی جھوٹی روایتیں گھڑ کر آپؐ سے منسوب کر دی جاتی رہی ہیں اور یونہی یہ سلسلہ جاری رہا اور نت نئی روایتیں معرضِ وجود میں آتی رہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اس کی بنیاد علم و بصیرت نہیں، بلکہ مناظرانہ ضرورت پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ علم الہدیٰ سیّد مرتضی کو علمائے اہل سنت سے مناظرہ کا اتفاق ہوا۔ تو سیّد مرتضی نے تاریخی حقائق سے ثابت کیا کہ اکابر صحابہ کے فضائل میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ خود ساختہ اور جعلی ہیں۔ اس پر ان علماء نے اعتراض کیا کہ کوئی کیسے رسول اللہ ﷺ پر افتراء باندھنے کی جرات کر سکتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی روایت گھڑ کر ان کی طرف منسوب کرنے کی جرائت کرتا ہے۔ سیّد مرتضی نے اس اعتراض کے جواب میں رسولؐ کی یہ حدیث پیش کی:

"میرے بعد مجھ پر کثرت سے جھوٹ باندھا جائے گا۔ دیکھو! جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

درج بالا حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ پیغمبر پر جھوٹ باندھا گیا اور اگر یہ حدیث غلط ہو تو یہ بذات خود ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے۔ احادیث گھڑنے والے وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا تھا اور یہ لوگ دین میں فتنہ وانتشار پیدا کرنے اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے من گھڑت روایتیں بناتے رہتے تھے۔ یہ منافقین پیغمبر ﷺ کے زمانے میں بظاہر مسلمانوں کے ساتھ گل مل کر رہتے تھے مگر اندرونی طور پر فساد و تخریب کاری کے درپے رہتے تھے۔ رسول اللہؐ کی رحلت کے بعد بھی ان کی یہ روش جاری رہی، بلکہ ان کی منافقانہ سرگرمیوں میں تیزی آئی، کیونکہ اب ان کو یہ خوف نہیں تھا کہ کہیں بے نقاب ہو کر رسوا نہ ہو جائیں۔ یہ لوگ بے جھجک اپنے ذاتی مفاد و اغراض کے لئے پیغمبر ﷺ پر افتراء باندھتے تھے اور سننے والے انہیں صحابی رسول سمجھ کر ان کی ہر بات کو حدیثِ رسول کے طور پر قبول کرتے تھے۔ "الصحابۃ کلھم عدول" (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) کے عقیدہ نے لوگوں کی زبانوں پر پہرا بٹھا دیا، جس کی وجہ سے نقد و نظر اور جرح و تعدیل سے انہیں بلند و بالا سمجھ لیا گیا اور پھر ان کے کارہائے نمایاں نے انہیں حکومتی ایوانوں میں بھی مقرب بنا رکھا تھا، جیسا کہ امیر المومنینؑ نے اشارہ فرمایا ہے:

''ان لوگوں نے کذب و بہتان کے ذریعے گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوا دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیا۔'' (3)

راویان حدیث کی چار اقسام

امام علیہ السلام سب سے پہلے حدیث کے راویوں کی اقسام ذکر کرتے ہیں: '' وَإِنَّمَا أَتَاكَ بِالْحَدِيثِ أَرْبَعَةُ رِجَالٍ لَيْسَ لَهُمْ خَامِسٌ '' یعنی: تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں۔

ا۔ منافق راوی (المنافقون)

امام علیؑ حدیث کے راویوں کی اقسام میں سے پہلی قسم کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''رَجُلٌ مُنَافِقٌ مُظْهِرٌ لِلْإِيمَانِ، مُتَصَنِّعٌ بِالْإِسْلَامِ، لَا يَتَأَثَّمُ وَلَا يَتَحَرَّجُ، يَكْذِبُ عَلَى رَسُولِ اللهِ(صلى الله عليه و آله) مُتَعَمِّداً، فَلَوْ عَلِمَ النَّاسُ أَنَّهُ مُنَافِقٌ كَاذِبٌ لَمْ يَقْبَلُوا مِنْهُ، وَلَمْ يُصَدِّقُوا قَوْلَهُ، وَلَكِنَّهُمْ قَالُوا: صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ(صلى الله عليه و آله) رَآهُ، وَسَمِعَ مِنْهُ، وَلَقِفَ عَنْهُ، فَيَأْخُذُونَ بِقَوْلِهِ، وَقَدْ أَخْبَرَكَ اللهُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ بِمَا أَخْبَرَكَ، وَوَصَفَهُمْ بِمَا وَصَفَهُمْ بِهِ لَكَ، ثُمَّ بَقُوا بَعْدَهُ(عليه السلام)، فَتَقَرَّبُوا إِلَى أَئِمَّةِ الضَّلَالَةِ، وَالدُّعَاةِ إِلَى النَّارِ بِالزُّورِ وَالْبُهْتَانِ، فَوَلَّوْهُمُ الْأَعْمَالَ، وَجَعَلُوهُمْ عَلَى رِقَابِ النَّاسِ، وَأَكَلُوا بِهِمُ الدُّنْيَا، وَإِنَّمَا النَّاسُ مَعَ الْمُلُوكِ وَالدُّنْيَا، إِلَّا مَنْ عَصَمَ اللهُ، فَهَذَا أَحَدُ الْأَرْبَعَةِ ''۔

یعنی: ایک تو وہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطعہ بنالیتا ہے۔ نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر لوگوں کو پتا چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے، تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے۔ لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے، اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا بھی ہے اور ان سے حدیثیں بھی سنیں ہیں اور آپ ﷺ سے تحصیل علم بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اس بات کو قبول

کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے پھر ایسے لوگ رسول ﷺ کے بعد بھی باقی و برقرار رہے اور کذب اور بہتان کے ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوہ دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگا یا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیا اور ان کے ذریعہ سے اچھی طرح دنیا کو حلق میں اتارا اور لوگوں کا تو یہ قاعدہ ہے ہی کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔ مگر سوا ان (محدود سے چند افراد کے) جنہیں اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

ان جملوں کی شرح میں علامہ مفتی جعفر حسینؒ لکھتے ہیں: ''منافقین کا مقصد اسلام کی تخریب کے ساتھ دنیا کا حاصل کرنا بھی تھا اور وہ انہیں مدعی اسلام بنے رہنے کی وجہ سے پوری افراوانی حاصل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے وہ اسلام کی نقاب اتار کر اپنے اصلی خط و خال میں سامنے آنا نہیں چاہتے تھے اور اسلام ہی کے پردے میں اپنے شیطانی اطوار کو جاری رکھتے تھے اور اس کی بنیادی تخریب کے لئے روایات وضع کرکے انتشار پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ابن الحدید نے لکھا ہے:

''جب انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا تو انہوں نے بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ دیا اور جب ان سے خاموشی اختیار کر لی گئی تو انہوں نے بھی اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں چپ سادھ لی۔ مگر درپردہ فریب کاریاں عمل میں لاتے رہتے تھے۔ جیسے کذب تراشی کہ جس کی طرف امیر المومنینؑ نے اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ حدیث میں جھوٹ کی بہت زیادہ آمیزش کر دی گئی تھی اور یہ فاسد عقیدہ رکھنے والوں کے ذریعہ سے گمراہی پھیلاتے۔ دلوں میں خدشے اور عقائد میں خرابیاں پیدا کرتے تھے اور بعض کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک جماعت کو بلند کریں کہ جس سے ان کی دنیاوی اغراض وابستہ ہوتی تھی۔'' (4)

امام علیؑ کی شہادت کے بعد جب حکومتِ شام کو سیاسی عروج حاصل ہوا تو اس نے جعلی روایتیں گھڑنے کا باقاعدہ ایک محکمہ کھول دیا اور اپنے کارندوں کو اس پر مامور کیا کہ وہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی تنقیص اور بنی امیہ کے فضائل میں حدیثیں گھڑ کر نشر کریں اور اس کے لئے انعامات اور جاگیریں مقرر کیں۔ جس کے نتیجہ میں کثیر التعداد خود ساختہ فضائل کی روایتیں کتبِ احادیث میں پھیل گئیں۔ چنانچہ ابوالحسن مدائنی

نے کتاب الاحداث میں تحریر کیا ہے اور (جس سے نقل کرتے ہوئے) ابن الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں اس زمانے کے حالات میں روایت سازی کے بہت سے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (5)

۲۔خطاکار (الخاطئون)

حدیث کے رایوں کی دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو خطا کار ہیں اور جان بوجھ کر غلط حدیث بیان نہیں کرتے۔ چنانچہ مولا علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

" وَ رَجُلٌ سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ شَيْئاً لَمْ يَحْفَظْهُ عَلَى وَجْهِهِ فَوَهِمَ فِيهِ وَ لَمْ يَتَعَمَّدْ كَذِباً فَهُوَ فِي يَدَيْهِ يَرْوِيهِ وَ يَعْمَلُ بِهِ وَ يَقُولُ أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ۔ صلی اللہ علیہ والہ۔ فَلَوْ عَلِمَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّهُ وَهِمَ فِيهِ لَمْ يَقْبَلُوهُ مِنْهُ وَ لَوْ عَلِمَ هُوَ أَنَّهُ كَذَلِكَ لَرَفَضَهُ "

یعنی: "چار میں سے ایک تو یہ ہوا۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہؐ سے سنا، لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہوگیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ جو کچھ اس کے دسترس میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور اسی پر خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔"

اس کی مثال بیان کرتے ہوئے مفتی جعفر حسین مرحوم لکھتے ہیں: " دوسری قسم کے رواۃ وہ ہیں جو موقع محل کو سمجھے بغیر جو الٹا سیدھا انہیں یاد رہ جاتا تھا وہ روایت کر دیتے تھے۔ چنانچہ "صحیح بخاری باب البکاء علی المیت" میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صہیبؓ روتے ہوئے ان کے ہاں آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ: اے صہیب! تم مجھ پر روتے ہو، حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میّت پر عذاب ہوتا ہے۔

جب حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ خدا عمر پر رحم کرے! رسول اللہ نے تو ایسا نہیں فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے مومن کی میت پر عذاب ہوتا ہے۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ کافر کی میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے۔

اس کے بعد ام المومنین نے فرمایا کہ قرآن میں تو یہ ہے کہ " لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ " (ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھاتا) تو یہاں رونے والوں کا بار میت کیسے اٹھائے گی۔ پھر حضرت عائشہ سے یہ حدیث درج ہے کہ جس سے پہلی حدیث کی مزید تشریح ہوتی ہے: "کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کی طرف سے ہو کر گزرے کہ جس پر اس کے گھر والے تو رو رہے ہیں اور وہ قبر میں مبتلائے عذاب ہے"۔(6)

۳۔ شبہ میں مبتلا راوی (أهل الشبهة)

تیسری قسم شبہات میں پڑ جانے اور روایات کو بھول جانے والے راویوں کی ہے جو حدیث کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں شبہات و شکوک پیدا کرتے ہیں:

" وَرَجُلٌ ثَالِثٌ، سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ(صلى الله عليه و آله) شَيْئاً يَأْمُرُ بِهِ، ثُمَّ نَهَى عَنْهُ وَهُوَ لاَ يَعْلَمُ، أَوْ سَمِعَهُ يَنْهَى عَنْ شَيْءٍ، ثُمَّ أَمَرَ بِهِ وَهُوَ لايَعْلَمُ، فَحَفِظَ المَنسُوخَ، وَلَمْ يَحْفَظِ النَّاسِخَ، فَلَوْ عَلِمَ أَنَّهُ مَنْسُوخٌ لَرَفَضَهُ، وَلَوْعَلِمَ الْمُسْلِمُونَ إِذْ سَمِعُوهُ مِنْهُ أَنَّهُ مَنْسُوخٌ لَرَفَضُوهُ "

یعنی: تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا آپؐ نے ایک چیز کے بجالانے کا حکم دیا ہے، پھر پیغمبر ﷺ نے تو اس سے روک دیا۔ لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو سکا۔ یا یوں کہ اس نے پیغمبرؐ کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے سنا پھر آپؐ نے اس کی اجازت دے دی، لیکن اس کے علم میں یہ چیز نہ آسکی اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیث) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔

حدیث کے راویوں کے اس گروہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مفتی جعفر حسین لکھتے ہیں: " تیسری قسم کے رواۃ وہ ہیں کہ جنہوں نے پیغمبرؐ سے حدیث منسوخ کو سنا مگر اس کی ناسخ کو حدیث کے سننے کا ان کو موقع ہی نہ ملا کہ وہ اسے بیان کرتے یا اس پر عمل کرتے۔ حدیثِ ناسخ کی مثال پیغمبرؐ کا یہ ارشاد ہے کہ جس میں حدیثِ منسوخ کی طرف بھی اشارہ ہے" نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها" (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت

سے روکا تھا مگر اب تم زیارت کر سکتے ہو)۔اس میں زیارتِ قبور کی نہی کو اذنِ زیارتِ قبور سے منسوخ کر دیا ہے۔پس جن لوگوں نے صرف حدیث منسوخ کو سن رکھا تھا وہ اسی پر عمل پیرا رہے۔" (7)

۴۔سچے اور محافظِ حدیث روای (الصادقون الحافظون)

حدیث کے رایوں کی آخری قسم اُن سچے محافظینِ حدیث کی ہے کہ جو فرامینِ نبویؐ کو پیش کرنے میں کسی قسم کی غلطی نہیں کرتے اور حدیث کے سرمائے کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں:

" وَ آخَرُ رَابِعٌ لَمْ يَكْذِبْ عَلَى اللهِ وَ لَا عَلَى رَسُولِهِ مُبْغِضٌ لِلْكَذِبِ خَوْفاً مِنَ اللهِ وَ تَعْظِيماً لِرَسُولِ اللهِ- صلى الله عليه واله- وَ لَمْ يَهِمْ بَلْ حَفِظَ مَا سَمِعَ عَلَى وَجْهِهِ فَجَاءَ بِهِ عَلَى مَا سَمِعَهُ لَمْ يَزِدْ فِيهِ وَ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ فَحَفِظَ النَّاسِخَ فَعَمِلَ بِهِ وَ حَفِظَ الْمَنْسُوخَ فَجَنَّبَ عَنْهُ وَ عَرَفَ الْخَاصَّ وَ الْعَامَّ فَوَضَعَ كُلَّ شَيْءٍ مَوْضِعَهُ وَ عَرَفَ الْمُتَشَابِهَ وَ مُحْكَمَهُ وَ قَدْ كَانَ يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ- صلى الله عليه واله- الْكَلَامُ لَهُ وَجْهَانِ فَكَلَامٌ خَاصٌّ وَ كَلَامٌ عَامٌّ فَيَسْمَعُهُ مَنْ لَا يَعْرِفُ مَا عَنَى اللهُ سُبْحَانَهُ بِهِ وَ لَا مَا عَنَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه واله فَيَحْمِلُهُ السَّامِعُ وَ يُوَجِّهُهُ عَلَى غَيْرِ مَعْرِفَةٍ بِمَعْنَاهُ وَ مَا قُصِدَ بِهِ وَ مَا خَرَجَ مِنْ أَجْلِهِ وَ لَيْسَ كُلُّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ- صلى الله عليه واله- كَانَ يَسْأَلُهُ وَ يَسْتَفْهِمُهُ حَتَّى إِنْ كَانُوا لَيُحِبُّونَ أَنْ يَجِيءَ الْأَعْرَابِيُّ أَوِ الطَّارِئُ فَيَسْأَلُهُ (عليه السلام) حَتَّى يَسْمَعُوا وَ كَانَ لَا يَمُرُّ بِي مِنْ ذَلِكَ شَيْءٌ إِلَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ وَ حَفِظْتُهُ فَهَذِهِ وُجُوهُ مَا عَلَيْهِ النَّاسُ فِي اخْتِلَافِهِمْ وَ عِلَلِهِمْ فِي رِوَايَاتِهِمْ"

یعنی: اور چوتھا شخص وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ نہیں باندھتا۔وہ خوفِ خدا اور عظمتِ رسول اللہؐ کے پیشِ نظر کذب سے نفرت کرتا ہے،اس کی یادداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی، بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا اور نہ اس میں کچھ بڑھایا نہ اس میں سے کچھ گھٹایا۔ حدیث ناسخ کو یاد رکھا،تو اس پر عمل بھی کیا،حدیثِ منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا۔اور اس سے اجتناب برتا،وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے اور ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے،اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔

کبھی رسول ﷺ کے کلام کے دو رخ ہوتے تھے۔آپؐ کے کچھ فرمودات کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتے تھے اور کچھ تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتے تھے۔ مزید برایں، آپؐ کے ارشادات ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو سمجھ ہی نہ سکتے تھے اور یوں کلام میں مضمر حقیقی معنی و مقصود سے نابلد رہتے تھے۔ اور اصحاب پیغمبرؐ میں ایسے بھی لوگ تھے جو آپؐ سے سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے اور ان کی آرزو ہوتی تھی کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آجائے اور وہ آپؐ سے کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں۔ مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی۔ مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد رکھتا تھا۔ یہ ہیں لوگوں کی احادیث و روایات میں اختلاف کی وجوہ و اسباب"۔(8)

امام علی علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق راویوں کی چوتھی قسم وہ ہے جو عدالت سے آراستہ، فہم و ذکا کے مالک، حدیث کے مورد و محل سے آگاہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مقید و مطلق سے واقف، کذب و افتراء سے کنارہ کش ہوتے تھے، جو وہ سنتے تھے ان کے حافظہ میں محفوظ رہتا تھا اور اسے صحیح صحیح دوسروں تک پہنچادیتے تھے۔انہی کی بیان کردہ احادیث اسلام کا سرمایہ، غل و غش سے پاک اور قابل اعتماد و عمل ہیں۔ خصوصاًوہ سرمایہ احادیث جو امیر المومنین علیہ السلام سے امانتدار سینوں میں منتقل ہوتا رہا اور قطع و برید اور تحریف و تبدل سے محفوظ رہنے کی وجہ سے اسلام کو صحیح صورت میں پیش کرتا ہے۔کاش کہ دنیا علم کے ان سرچشموں سے پیغمبر ﷺ کے فیوض حاصل کرتی ! مگر تاریخ کا یہ افسوس ناک باب ہے کہ خوارج و معاندین آلِ محمدؐ سے تو حدیث لی جاتی ہیں مگر جہاں سلسلہ روایت میں اہل بیتؑ کی کسی فرد کا نام آجاتا ہے تو قلم رک جاتا ہے۔ چہرے پر شکن پڑ جاتے ہیں اور تیور بدل جاتے ہیں۔(9)

*****

حوالہ جات

1 ۔ مفتی جعفر حسین ترجمہ وشرح نہج البلاغہ ، خطبہ ۲۰۸،ادارۂ نشر معارف اسلامی لاہور
2 ۔ سید رضی ، نہج البلاغہ ، خطبہ ۲۰۸، نسخہ ابی الحدید، خطبہ ۲۰۳
3 ۔ مفتی جعفر حسین ترجمہ وشرح نہج البلاغہ ، خطبہ ۲۰۸، ادارۂ نشر معارف اسلامی لاہور
4 ۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱۱، ص ۴۱، بیروت ، داراحیاء التراث العربی،اطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۶۷ء
5 ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شرح ابن ابی الحدید ج ۱۱، ص ۴۱ تا ۵۰، بیروت ، داراحیاء التراث العربی،اطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۶۷ء
6 ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری، ترجمہ مولانا محمد داؤد راز، ج ۲، ص ۳۴۵ تا ۳۴۶، مطبوعہ مرکز اہل حدیث ، ہند، ۲۰۰۴ء
7 ۔ مفتی جعفر حسین ، ترجمہ نہج البلاغہ ، ص ۵۸۴، ادارۂ نشر معارف اسلامی لاہور
8 ۔ مفتی جعفر حسین ، ترجمہ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۰۸، ادارۂ نشر معارف اسلامی لاہور
9 ۔ مفتی جعفر حسین ، ترجمہ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۰۸، ادارۂ نشر معارف اسلامی لاہور

پہلی صدی ہجری میں

حدیث کی نشر و اشاعت میں ائمہ اہل بیتؑ کا کردار

ڈاکٹر محمد افضل*
dr.muhammadafzalkarimi@gmail.com

کلیدی کلمات: سنت، حدیث، علوم حدیث ،اہل بیت، کتاب امام علیؑ، مصحف فاطمہؑ، صحیفہ کاملہ

خلاصہ

اسلام میں قرآن کے بعد سنت کو تمام اسلامی تعلیمات کی تشریح میں منبع قرار دیا جاتا ہے۔تاہم مکتب اہل بیت کی نگاہ میں سنت صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے قول، فعل اور گفتار تک محدود نہیں، بلکہ اس میں سب ائمہ اطہارؑ کے اقوال، افعال اور گفتار بھی شامل ہیں۔ حدیث چونکہ سنت کی حکایت کا نام ہے۔ اسی بناپر جو بھی فضیلت ،اہمیت اور ضرورت سنت کے بارے میں بیان ہوئی ہے وہ حدیث کے لیے بھی ثابت ہے۔ حدیث قرآن کے ساتھ مل کر، تاریخ اسلام کی تقریبا پندرہ صدیوں کے دوران دین و شریعت کے فہم وادراک میں مسلمانوں کے لئے بنیادی کردار ادا کرتی آئی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات مبارک کے بعد ائمہؑ نے حدیث کی نشرواشاعت کے لیے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ائمہ نے اس مقصد کے حصول کے لئے احادیث کو لوگوں کے سامنے بیان کیا،احادیث کے نقل وضبط کی حوصلہ افزائی فرمائی اور احادیث کے مجموے تدوین کیے۔ اگرچہ قرن اول کو اسلامی تاریخ میں حدیث کے حوالے سے اچھے عنوان سے یاد نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس قرن میں نہ صرف مختلف احادیث رسول ﷺ کو جلایا گیا بلکہ اس کے ساتھ نقل اور نشر حدیث کرنے والے صحابہ اور تابعین کو اذیت اور آزار سے دوچار کیا گیا۔ لیکن اس کٹھن مرحلے میں جب بھی فرصت میسر ہوئی ائمہ اہل بیتؑ نے تشنگان حدیث کو سیراب کیا۔

*۔ محقق، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی۔

مقدمہ

اسلام میں قرآن کے بعد سنّت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔مکتب اہل بیت کی نگاہ میں سنت کا دائرہ دوسرے اسلامی مکاتب کی نسبت وسیع تر ہے۔لہٰذا سنت صرف پیغمبر اکرم ﷺ کے قول، فعل اور گفتار تک محدود نہیں، بلکہ اس میں تمام ائمہ اطہارؑ کے قول، فعل اور گفتار بھی شامل ہیں۔اسی لیے علما جب سنت کی تعریف کرتے ہیں تو ''معصوم'' کی قید لگاتے ہیں تاکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ائمہ اہل بیت بھی شامل ہوں۔حدیث چونکہ سنت کی حکایت سے عبارت ہے، اسی بنا پر جو بھی فضیلت، اہمیت اور ضرورت سنت کے بارے میں بیان ہوئی ہے وہ حدیث کے لیے بھی ثابت ہے۔قرآن کریم کی آیات میں جو احکام الٰہی بیان ہوئے ہیں، حدیث نے ان احکام کو سمجھنے اور دین و شریعت کے فہم و ادراک میں تاریخ اسلام کی تقریبا پندرہ صدیوں کے دوران مسلمانوں کے لئے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

حدیث کی اہمیت کے پیش نظر، احادیث کے مندرجات و مضامین اور ان کی سند کا جائزہ لینے کے لئے مختلف علوم معرض وجود میں آئے ہیں جنہیں بحیثیت مجموعی علوم حدیث کہا جاتا ہے۔اسی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کے بغیر اسلام کی سمجھ نامکمل ہے۔یہی وجہ تھی کہ وفات پیغمبر ﷺ کے بعد ائمہ اہل بیت نے حدیث کی نشر واشاعت کے لئے لامحدود کوششیں انجام دیں۔حدیث کے سلسلے میں مختلف مسلمان حکمرانوں نے جو روش اپنائی تھی وہ نہ صرف صحیح نہیں تھی بلکہ اس عمل سے اسلام کو دور رس خطرات بھی لاحق ہونے کے امکانات تھے۔اسی بنا پر ائمہ اہل بیتؑ نے کسی بھی دور میں حدیث کی نشر و اشاعت کو منجمد نہیں ہونے دیا جس کے ثمر بخش اثرات آج بھی ہمیں مکتب اہل کے ''حدیثی منابع''میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

موضوع شناسی

جیسا کہ واضح ہے ہمارے اس مقالے کا موضوع "حدیث کی نشر و اشاعت میں ائمہ اہل بیتؑ کا کردار" ہے۔اس موضوع کے مفردات کی توضیح یہ ہے کہ عربی لغت میں ''اہل'' دو چیزوں کے درمیان انس اور محبت کو کہا جاتا ہے۔(1) اس کے بعد یہ لفظ دوسرے مصادیق جیسے خاندان، قوم اور عزیز و اقارب پر اطلاق ہونے لگا۔(2) ''بیت'' اس مکان اور محل بازگشت کو کہا جاتا ہے جہاں انسان رات گزارتا ہے۔(3)

بنابریں، اہل بیت لغوی اعتبار سے خاندان کے ان افراد پر اطلاق ہوگا جو ایک خاص مکان و محل میں سکون اور محبت کے ساتھ باہم زندگی گزارتے ہیں۔ لغت کے علاوہ اہل بیت کا مفہوم قرآن و سنت کی نگاہ میں خاص لوگوں پر اطلاق ہوتا ہے جن کا تعارف پیغمبر اکرم ﷺ نے خود کرایا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ احزاب میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے جس میں اللہ نے اہل بیتؑ کو ہر قسم کی نجاست سے دور رکھنے کی ضمانت دی ہے:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔" (4)

"اے اہل بیت! خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے"

چونکہ یہ آیت سورہ احزاب میں ان آیتوں کے ذیل میں بیان ہوئی ہے جن میں امہات المؤمنین کا تذکرہ ہوا ہے اسی وجہ سے بہت سے مسلمان دانشوروں کا خیال ہے کہ آیت تطہیر میں امہات المومنین بھی شامل ہیں۔ جبکہ دوسری طرف فریقین (شیعہ و سنی) کے مستند منابع میں تقریباً ستر کے قریب ایسی روایات موجود ہیں جن میں اس آیت کا مصداق پنجتن (حضرت محمد ﷺ، امام علیؑ، حضرت زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ) کو ٹھہرایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کی روشنی میں اہل بیت کا اطلاق دیکھا جائے تو یہ بات کھل کے سامنے آتی ہے کہ اہل بیت کا مفہوم خاص افراد پر صادق آتا ہے۔ جس وقت حضرت نوحؑ کے بیٹے نے خود کو اہل نوح سے قرار دیا تو خدا نے اس کے دعوے کو قبول نہیں کیا۔ اگرچہ وہ حضرت نوحؑ کی صلب سے تھے مگر اہل نوح سے قرار پانے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے "إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ" (5)

" بے شک یہ آپؑ کے گھر والوں میں سے نہیں ہے، یہ غیر صالح عمل ہے"

لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ اہل بیتؑ پیغمبر ﷺ سے ہونے کے لیے اہم شرط خدا اور اس کے نبی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اہل بیتؑ کو اپنے گفتار اور کردار سے اس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ نیز اس بات کو واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو اگرچہ اس کا مصداق پنجتن تھے مگر جب پیغمبر اکرم ﷺ کی پوری حیات طیبہ کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کے مفہوم میں اور بھی ایسی شخصیات شامل ہیں جن کو خود پیغمبر نے متعارف کرایا ہے۔ اس سلسلے میں صحیح مسلم میں انس بن مالک سے مروی روایت اہمیت کی حامل ہے جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اوصیا اور جانشینوں

کی پیروی کو عروۃالوثقی سے متمسک ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ جب ابوذر غفاریؓ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ کے بعد کتنے وصی اور جانشین ہوں گے تو پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"عدد نقبا بنی اسرائیل فقال کلھم من اھل بیت؟ قال ﷺ کلھم اھل بیتی، تسعة من صلب الحسین علیہ السلام والمھدی علیہ السلام منھم"

یعنی: "بنی اسرائیل کے نقبا کی تعداد کے برابر ہوں گے ابوذرؓ نے پوچھا کہ سب اہل بیتؑ سے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب میرے اہل بیتؑ سے ہوں گے جن میں سے نو حسینؑ کے صلب سے ہوں گے اور مہدیؑ بھی ان میں سے ہوگا۔(6)

مندرجہ بالا مطالب سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ لغوی اعتبار سے اہل بیت کا مفہوم عمومیت کا حامل ہے جس میں خاندان کا ہر فرد شامل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اہل بیتؑ کا ایک خاص مفہوم بھی ہے جو پیغمبر ﷺ کے فرامین سے سمجھ میں آتا ہے جس میں پنجتن کے علاوہ دوسرے امامؑ بھی شامل ہیں۔ ان دو مفاہیم کے ساتھ ایک اور مفہوم بھی سامنے آتا ہے جسے "مفہوم اخص" کا نام دیا جا سکتا ہے جس میں پنجتن آل عبا شامل ہیں۔ یہ ان روایات سے سمجھ میں آتا ہے جو آیۃ تطہیر کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں۔

ہمارے مقالہ کے موضوع کے مفردات میں سے ایک اور مفرد، "حدیث" کا کلمہ ہے۔ لغت میں "حدیث" ہر نئی چیز کو کہا جاتا ہے۔(7) اسی بناپر کم سن افراد کو "حدث السن" اور نوجوانوں کو "شاب حدث" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح لغوی اعتبار سے تروتازہ کھجور کو بھی حدیث کہا جاتا ہے۔(8)

حدیث کا اطلاق اس کے لغوی پہلو (تروتازہ اور نئی چیز) کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بول چال اور گفتار پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ جب انسان بولتا ہے تو الفاظ کی ادائیگی کے دوران اس کے منہ سے نکلنے والے نئے الفاظ گزشتہ الفاظ کی نسبت نئے شمار ہوتے ہیں۔ قرآن کی مختلف آیتوں میں حدیث کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔(9)

"حدیث" اصطلاح میں اس کلام کو کہا جاتا ہے جو معصوم کی گفتار، عمل اور تقریر کی حکایت کرے۔(10) اس تعریف کی بناپر حدیث کا مفہوم سنت سے متفاوت نظر آتا ہے چونکہ سنت قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم کو کہا جاتا ہے جبکہ حدیث اس عمل کی حکایت سے عبارت ہے۔

"قرن اول" ائمہ اہل بیتؑ کی علمی زندگی کا وہ دور ہے جس میں امام علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور امام سجادؑ زندگی گزار رہے تھے۔ اس دور کو تدوین حدیث کے سلسلے میں ائمہ اہل بیتؑ کے لیے ایک سخت اور طاقت فرسا دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جہاں صرف امام علیؑ کو ہی قلیل مدت کے لیے فتنوں کے ہجوم کے ساتھ اقتدار حاصل تھا اس کے باوجود مختلف فتنوں کی وجہ سے انہیں علمی مشاغل کے لیے وقت میسر نہیں ہوا۔ دوسری طرف باقی ائمہ کو ایک طرف تو اقتدار حاصل نہیں تھا جبکہ دوسری طرف حاکمان وقت کی طرف سے تدوین ونشر حدیث کی نہ صرف حوصلہ افزائی نہیں ہو رہی تھی بلکہ انتہائی شدت کے ساتھ تدوین اور نشر حدیث پر پابندی تھی۔ اس پورے دور میں نسبتاً امام سجادؑ کو وقت میسر آیا جس کی وجہ سے آپ کی علمی اور فقہی حیثیت نمایاں ہو گئی۔ مندرجہ بالا مطالب کو موضوع کی اجمالی وضاحت کے لیے بیان کیا گیا تاکہ مقالے کی افادیت واضح ہو جائے۔ موضوع پر جامع انداز میں ذیل میں روشنی ڈالی جارہی ہے:

حضرت امام علی علیہ السلام اور نشر حدیث

حضرت امام علیؑ نے تیس سال تک شیعوں کی امامت کے فرائض انجام دیے۔ آپ کو گنجینہ علم الٰہی قرار دیا جاتا ہے آپ کی شان میں پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث مشہور ہے جس میں آپ نے فرمایا: "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا"۔(11) اسی طرح آپ کو سب سے بڑے مفسر قرآن ہونے کے ناطے "صدر المفسرین" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے قرآن سے شدید اُنس کی بناپر پیغمبر ﷺ نے آپ کی شان میں فرمایا: "علی مع القرآن والقرآن مع علی"۔(12)

آپؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی طویل صحبت سے اپنے کردار اور گفتار کو نبوی رنگ دے دیا۔ اسی وجہ سے آپ حدیث کا محور اور مصدر قرار پائے اور آپ کی گفتار اور عمل کو سنت کا درجہ حاصل ہوا۔ امام علیؑ نے اپنے دور کے حکام کی تدوین حدیث کی مخالفت کے برعکس تدوین اور کتابت حدیث کی اہمیت کو اپنے گفتار اور عمل سے نمایاں کیا۔ آپ نے قرآن کی جامع تفسیر تحریر کی جس میں شان نزول کے ساتھ تنزیل و تاویل کو بھی بیان فرمایا۔(13) ذیل میں حدیث کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں امام علیؑ کے اہم اقدامات کو ذکر کیا جارہا ہے:

الف۔کتاب امام علیؑ

یہ حدیث کا پہلا مجموعہ ہے جسے رسول اکرم ﷺ نے امام علیؑ سے لکھوایا تھا۔ اسے کتاب علیؑ، صحیفہ علیؑ، جامعہ، اور صحیفہ الفرائض سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مجموعے کی تحریر کا آغاز رسول للہ ﷺ کی حیات میں ہی شروع ہوا، جبکہ اس کی تکمیل، وفات پیغمبر ﷺ کے بعد امام علیؑ کی حیات مبارکہ میں ہی ہوئی۔(14) اس مجموعے کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر امامؑ نے اسے اپنے جانشین کو امانت کے طور پر دیا۔ اسی وجہ سے یہ مجموعہ ہر امامؑ کے پاس موجود رہا ہے۔ یہ مجموعہ در حقیقت، اسلامی قانون کی تدوین اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی خاطر تحریر ہوا تھا ۔ائمہ اہل بیتؑ ہمیشہ اہم مواقع پر اسی کتاب کو مرجع و مصدر قرار دیتے تھے اور بوقت ضرورت اسے ایک افتخار اور نمونے کے طور پر اپنے اصحاب اور مخالفین کے سامنے پیش بھی کرتے تھے۔

کتاب بصائر الدرجات میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جن میں صحیفہ علیؑ کی ائمہ اہل بیتؑ کے پاس موجودگی کا تذکرہ ہوا ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام علیؑ سے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں بیان کرتا ہوں لکھو۔ امامؑ نے فرمایا: "یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو میرے حافظے پر اعتماد نہیں ؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس حوالے سے کوئی خوف نہیں چونکہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ خدا آپ کو فراموشی سے محفوظ رکھے۔ جو کچھ تمہیں بتا رہا ہوں اپنے ساتھ شریک لوگوں کے لیے لکھو۔ امامؑ عرض کرنے لگے کہ میرے شریک کون ہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ امام ہیں جو تمہاری نسل سے ہوں گے۔(15)

اسی طرح ابو بصیر کا کہنا ہے کہ ایک دن امام جعفر صادقؑ سے ارث کے بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے فرمایا کہ تمہیں کتاب علیؑ میں یہ مسئلہ دکھاؤں؟ میں نے پوچھا کہ کتاب علیؑ ابھی تک موجود ہے؟ امامؑ نے مثبت جواب دیتے ہوئے کتاب علیؑ سے میرے سوال کا جواب دیا۔(16) اس کے بارے میں اور بھی روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ اماموں کے پاس موجود رہا ہے اور ائمہؑ کے اصحاب اور شاگردوں نے اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ائمہ سے ایسی روایات بھی منقول ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کتاب علیؑ میں حلال و حرام سے متعلق قیامت تک کی تمام ضروریات بیان ہوئی ہیں۔(17) یہ خود اس بات

کی شاہد ہے کہ کتاب علیؑ ایک جامع کتاب ہے، جس میں احکام کے علاوہ اخلاقیات، تفسیر قرآن اور مختلف ایسے واقعات کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں جو مسلمانوں میں رونما ہونے والے ہیں۔

ب۔کتاب فی علوم القرآن

امام علیؑ نے حدیث کی نشر واشاعت کے لیے جو گران قدر خدمات انجام دی ہیں انہیں کتاب مذکور کے ذریعے مزید روشنائی ملتی ہے۔یہ کتاب " ناسخ القرآن و منسوخہ "، "محکمہ و متشابہہ " اور امام علیؑ سے منسوب " تفسیر نعمانی" کے نام سے مشہور ہے۔(18)علامہ آقابزرگ تہرانی نے بھی اپنی گرانقدر کتاب "الذریعہ" میں اس کتاب کو "نسخ القرآن و منسوخہ و محکمہ و متشابہہ" کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی علما نے اپنی کتابوں میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے معروف عالم دین علامہ سید حسن صدر ہے جنہوں نے اپنی کتاب " تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام" میں شیعوں کی علوم قرآن کی نشر و اشاعت کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں ان کے ذیل میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ان کا کہنا ہے:

"اما سائر انواع علوم القرآن فاول من نوعها و قسمها فهو ایضا علی علیہ السلام امیر المومنین املی ستین نوعا من انواع علوم القرآن و ذکر لکل نوع مثالا۔۔۔" (19)

یعنی: "علوم قرآن کے دوسرے انواع کی تقسیم بندی بھی امام علیؑ نے کی ہے۔امامؑ نے علوم قرآن کی ساٹھ قسمیں بیان کی ہیں اور ہر قسم کے لیے مثال بھی ذکر کی ہے۔۔۔"

معروف لبنانی عالم دین علامہ سید شرف الدین نے بھی مصحف امام علیؑ کا نام لیتے ہوئے اس جانب اشارہ کیا ہے:

"اما علی و شیعته، فقد قصدوا لذالك فی العصر الاول و اول شئ دونّه امیر المومنین کتاب الله فانه بعد فراغه من تجهیز النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آلی علی نفسه ان لا یرتدی للصلاة الا ان یجمع القرآن فجمعه مرتبا علی حسب النزول و اشار الی عامه وخاصه و مطلقه و مقیده ومحکمه ومتشابهه وناسخه ومنسوخه" (20)

یعنی: "علی اور ان کے شیعوں نے قرن اول میں اس کا ارادہ کیا اور امام علیؑ نے پہلی مرتبہ قرآن کی تدوین کا کام کیا۔امامؑ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے بعد خود کو اس بات کا پابند بنایا کہ

نماز کے لیے چادر اس وقت تک نہیں اوڑھیں گے جب تک قرآن کو جمع نہ کر لیں۔ ۔امامؑ نے قرآن کو ترتیبِ نزول کے مطابق جمع کیا اور عام و خاص، مطلق و مقید، محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ کی جانب اشارہ کیا"

ان کے علاوہ بھی کئی علما نے اس کتاب کا نام لیتے ہوئے اس کی ضخامت اور اس کتاب میں ساٹھ قسم کے "علوم قرآنی" کی موجودگی کا حوالہ دیا ہے۔(21)ان مطالب سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ امام علیؑ نے پیغمبر اکرم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے فورا بعد ہی قرآن کی تنظیم وتدوین کے لیے ضروری اقدام اٹھائے تھے ۔اسی ضمن میں آپؑ نے فہم قرآن سے مربوط تمام ضروری علوم کی تشریح وتبین بھی فرمائی۔ یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ قرآن کی شان نزول سمیت دوسرے تمام ضروری علوم کو حدیث کے بغیر بیان کرنا ناممکن ہے چونکہ قرآن کی تشریح کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو سونپی تھی اور امامؑ نے علوم نبوی کے حقیقی وارث ہونے کے ناطے پیغمبر کی وفات کے بعد اس اہم کو جاری رکھا۔

ج۔ نہج البلاغہ

حدیث کی اشاعت میں امام علیؑ کی خدمات میں نہج البلاغہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ وہ عظیم کتاب ہے جو فصاحت و بلاغت سے آراستہ ہونے کے ساتھ علمی ذخائر سے مالا مال ہے۔ عرصہ دراز سے اسے امام علیؑ کی علمی برتری کا ایک عظیم شاہکار قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ارشادات درحقیقت امام علیؑ کے ان الٰہی علوم کا نمونہ ہیں جنہیں آپ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے حضور میں حاصل فرمایا اور بوقت ضرورت مختلف ذرائع سے لوگوں تک پہنچایا۔امام علیؑ کے ارشادات نہج البلاغہ کے علاوہ بھی مختلف اسلامی منابع میں موجود ہیں۔ جن کے بارے میں جستجو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے حدیث کی نشر واشاعت کے لیے حاصل وقت سے لوگوں کو بھرپور فائدہ پہنچایا۔

حضرت امام علیؑ کے حوالے سے تاریخ کی ناانصافی کے باوجود اسلامی مصادر میں آپؑ سے منقول احادیث اور ارشادات کی فراوانی، نشر حدیث کے لیے آپؑ کی جہدِ مسلسل کی بہترین دلیل ہے۔ نہج البلاغہ، امام علیؑ کے ان ارشادات پر مشتمل ہے جو آپؑ نے پانچ سالہ حکومت کے دوران ارشاد فرمائے تھے۔ جنہیں سید رضی نے کمالِ تفحص کے ساتھ خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کی شکل میں جمع کیا۔قرن چہارم میں جب سید رضی نے اس عظیم علمی اور ادبی شاہکار کو جمع کیا تو مختلف مکاتب اور مذاہب کے علما نے اس کا وسیع پیمانے پر استقبال

کیااور اس مجموعے کی مختلف شروحات بھی وقت گزرنے کے ساتھ سامنے آئیں۔آقابزرگ تہرانی نے اپنی گرانقدر کتاب ''الذریعہ'' میں ایک سو پچاس شروحات کی نشاندہی کی ہے۔(22)

مذکورہ آثار کے علاوہ مختلف اسلامی منابع میں امام علیؑ سے اور بھی علمی آثار نقل ہوئے ہیں جو امام کی حدیث کے لئے خدمات کی نشاندہی کرتے ہیں۔جن میں سے ایک ''کتاب السنن والقضاوالاحکام'' ہے۔ یہ کتاب قضاوت سے متعلق مختلف قوانین کی حامل ہے جبکہ فقہی احکام بھی اس کتاب کے مختلف ابواب میں ذکر ہوئے ہیں جنہیں مختلف روایوں (ابورافع،عبید بن رافع،ربیعہ بن سمیع اور محمد بن قیس بجلی) نے امامؑ سے روایت کیا ہے۔(23)

حضرت امام علیؑ کی علمی زندگی کا جائزہ لینے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ آپ نے کتابت کے لیے مختلف کاتبوں کو رکھا تھا جو مختلف موضوعات کے متعلق احادیث تحریر کرتے تھے جن میں امامؑ کا نظریہ بھی شامل ہوتا تھا۔ مختلف علما کی تحریر کردہ کتابوں میں ان کا نام بھی سامنے آیا ہے جن میں ''کتاب السنن والاحکام'' کے مصنف ابورافع،(24) علی بن ابی رافع،(25) ربیعہ بن سمیع،(26) حارث بن عبداللہ ہمدانی،(27) اصبغ بن نباتہ،(28) اور ابن عباس بھی امام علی کے خاص کاتبوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ امامؑ کے کاتب ہونے کے ساتھ خاص شاگردوں میں سے بھی شمار ہوتے تھے۔اپنی پوری زندگی میں امام علیؑ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے اور اپنے علم کو امام علیؑ کی شاگردی کا حاصل سمجھتے تھے۔

د۔ مصحف فاطمہؑ

ائمہ اہل بیتؑ کے ذکر اور حدیث کی نشرواشاعت میں ان کے کردار کے بیان کے ساتھ ساتھ مادرِ ائمہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی حدیث کی نشر واشاعت کے حوالے سے خدمات انجام کا بیان بھی ضروری ہے۔آپ نے حدیث پر جو صحیفہ تیار کروایا سے ''مصحف فاطمہ'' یا ''کتاب فاطمہ'' کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔امام علیؑ نے اس علمی ذخیرے کی کتابت خود فرمائی تھی۔اس کتاب کا تذکرہ مختلف علما نے اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں ''کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ'' کے مصنف آقابزرگ تہرانی (29) اور کتاب بصائر الدرجات کے مصنف معروف محدّث محمد بن حسن بن فروخ صفار قمی کا نام لیا جاسکتا ہے۔(30)

امام حسن علیہ السلامؑ اور نشر حدیث

امام حسن علیہ السلام اپنے والد گرامی کی شہادت کے بعد چالیس ہجری سے پچاس ہجری تک امامت کے منصب پر فائز رہے۔ آپ کی نگاہ میں بھی حدیث کی تدوین اور اشاعت اہم امور میں سے شمار ہوتی تھی۔ آپ کی حیات مبارکہ میں سیاسی حالات کی ابتری بالخصوص حاکم شام کی آپ سے خصومت اور دوستوں کی بے وفائی کی وجہ سے علمی مشاغل کی انجام دہی کے لیے مناسب وقت میسر نہیں ہوا۔ امام علیؑ کی شہادت کے بعد آپ ان کے علمی اور عملی امور کے جانشین تھے۔ اسی لئے جہاں تک ممکن تھا آپ نے اپنے والد گرامی کی سنت حسنہ کو برقرار رکھا۔ اسی ضمن میں آپ نے اپنے اصحاب اور چاہنے والوں کو علم کی تحصیل، حفظ اور کتابت کے ذریعے محفوظ بنانے کی تاکید فرماتے رہے تاکہ آنے والے اس سے استفادہ کر سکیں۔

امام حسنؑ نے ایک دن اپنے بچوں اور بھتیجوں کو بلاکے انہیں فرمایا: "یابنی و بنیی اخی، انکم صغار قوم یوشك ان تکون کبار آخرین فتعلموا العلم ،فمن لم یستطع منکم ان یرویه فلیکتبه و لیضعه فی بیته" (31) یعنی: "اے میرے بیٹو اور بھتیجو: آج تم ملت کے فرزند شمار ہوتے ہو کل اسی ملت کے بزرگوں میں سے شمار ہونا ہے۔ پس علم حاصل کرو! اور جس کے لئے روایت کو نقل کرنا ممکن نہیں تو اسے روایات کو لکھ کے اپنے گھر میں محفوظ بنانا چاہئے۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں یہ بات نقل ہوئی ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد امام علیؑ علم نبوی کے وارث بن گئے۔ اس کے بعد امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بالترتیب علم نبوی کے وارث بنے: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما قبض و رث علی علیہ السلام علمه و سلاحه و ماهناك ،ثم صار الی الحسن علیہ السلام ثم صار الی الحسینؑ" (32) اس کے علاوہ ایک اور روایت امام علیؑ کی تمام علمی تحریروں کے امام حسنؑ تک منتقل ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ جیسا کہ کتاب بصائر الدرجات میں یہ حدیث امام صادقؑ سے منقول ہے: "ان الکتب کانت عند علی علیہ السلام فلما سار الی العراق استودع الکتب ام سلمه فلما مضی علی علیہ السلام کانت عند الحسن علیہ السلام فلما مضی الحسن علیہ السلام کانت عند الحسین علیہ السلام" (33) یعنی: "امام صادق سے مروی ہے کہ امام علیؑ نے اپنی تمام کتابیں عراق جاتے وقت ام سلمہ کے پاس امانت رکھوائیں۔ جب ان کی شہادت

ہوئی تو یہ ساری کتابیں امام حسن علیہ السلام کے سپرد کی گئیں اور آپ کی شہادت ہوئی تو یہ امام حسین علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گئیں"

ان روایات کے علاوہ بھی مختلف شیعہ اور سنی علما نے امام حسنؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ امامؑ سے کئی راویوں نے روایات نقل کی ہیں۔ شیخ طوسی نے انتیس ایسے راویوں کی نشاندہی کی ہے جنہوں نے امام حسن سے روایات نقل کی ہیں۔(34) جبکہ اہل سنت کے معروف عالم ذھبی نے بھی امامؑ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ امام حسن پیغمبر ﷺ اکرم کے خاص اصحاب میں سے شمار ہوتے تھے انہوں نے علیؑ اور فاطمہؑ سے کئی روایتوں کو نقل اور ضبط کیا۔(35)

امام حسین علیہ السلام اور نشر حدیث

امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کی شہادت کے بعد امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کی امامت کا دورانیہ ۵۰ ہجری سے ۶۱ ہجری پر مشتمل تھا۔ آپ نے بھی اپنے بھائی کی طرح حدیث کی تحریر اور اشاعت کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اور دوران سفر کئی مواقع پر مختلف قبائل کو قرآن اور حدیث کی تعلیمات پر مشتمل خطوط تحریر کیں۔ جن میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دوبارہ احیاکے لیے تعاون کرنے کی درخواست فرمائی۔ امامؑ کے اکثر خطبات اور خطوط آج ہماری دسترس میں ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے امام کے اقوال ،ارشادات اور خطوط علم حدیث کے فروغ کے لیے ایک عظیم سرمایہ ہیں۔

دوسری طرف آپ کی جانب سے تدوینِ حدیث کی سفارش اور تاکید بھی اس بات کو نمایاں کرتی ہے کہ آپ اپنے آبا واجداد کی طرح حدیث کی نشر واشاعت کو اسلامی تعلیمات کے فروغ اور امت کی ہدایت کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں خطبات دیئے ان میں بھی اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو بہرہ مند کیا، جیسا کہ منا میں آپ کا وہ خطبہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس میں آپ نے اپنی بات کو نقل کرنے اور لکھنے کی ہدایت فرمائی تھی:

"فان هذا لطاغيه قد فعل بنا و شيعتنا ۔۔۔ اسمعوا مقالی و اکتبوا قولی ثم ارجعوا الی امصار کم و قبائلکم فمن امنتم من الناس و وثقتم به فادعوهم الی ما تعلمون من حقنا"۔(36)

یعنی: ''تمہیں معلوم ہے اور تم مشاہدہ بھی کر رہے ہو کہ اس طاغوت نے ہمارے ساتھ کونسا رویہ اپنایا ہے میں تم لوگوں سے پوچھ رہا ہوں اگر مجھے صادق سمجھتے ہو تو میری تصدیق کرو۔۔ میری بات سنو اور اسے لکھ لو پھر اپنے قبائل اور شہروں کی طرف جاکے انہیں ہمارے حق کے بارے میں بتادو''

امام حسین نے اس قول ''اکتبوا قولی'' کے ذریعے حدیث لکھنے کو ضروری عمل سے تعبیر کیا چونکہ شیعہ مکتب میں ائمہ کی سنت بھی پیغمبر ﷺ کی سنت کی طرح حجت ہے۔ لہٰذا اگر سنت کی نشر و اشاعت کے لیے امامؑ کی طرف سے حکم ہو تو اس پر پیغمبر ﷺ کے قول کی طرح عمل کرنا امت پر واجب ہے۔

امام سجاد علیہ السلام اور نشر حدیث

امام سجاد علیہ السلام کا کی امامت کا دورانیہ چونتیس سال پر محیط تھا جس میں آپ کو اپنے اجداد کی نسبت علمی مشاغل کے لیے نسبتا بہتر وقت میسر آیا جس کی وجہ سے آپ نے حدیث کی نشر واشاعت کے لیے زیادہ کام کیا۔ آپ کے دور امامت میں آپ ہی کے تربیت یافتہ موثق شاگردوں کے کئی آثار سامنے آئے جو آج بھی تشنگان علم کی دسترس میں ہیں۔ امام کے خاص شاگردوں اور راویوں میں سے ابی حمزہ ثمالی، سعید بن جبیر، زید بن علی بن حسین، داود بن یحییٰ اور آپ کی بیٹی علیہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ (37) شیخ طوسی نے اپنی رجال کی کتاب میں امام کے ۱۷۲ شاگردوں کا نام لیا ہے جن میں سے بعض اپنے زمانے کے معروف محدث اور علما میں سے شمار ہوتے تھے۔ (38) امام سجادؑ کے علوم حدیث کی نشر واشاعت کے لیے انجام دی جانی والی خدمات کو ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:

الف۔ ''صحیفہ سجادیہ''

امام سجاد علیہ السلام کی حدیث کی اشاعت کے لئے انجام دی جانی والی گران قدر خدمات آپ کی دعاؤں پر مشتمل کتاب صحیفہ سجادیہ کے ذریعے مزید نمایاں ہوتی ہیں۔ یہ عظیم کتاب مکتب اہل بیت کے ماننے والوں کے لئے قرآن اور نہج البلاغہ کے بعد اہم اور مقدس ترین کتابوں میں سے شمار ہوتی ہے۔ اس میں امام سجاد کی ۵۴ دعائیں ہیں۔ ان دعاوں میں امام سجاد نے ستائش خدا کے ساتھ انسانی تربیت کے بہت سے راہنما نکات بیان فرمائے ہیں۔ ان دعاوں کو امام محمد باقرؑ اور زیدؑ شہید نے تحریر کیا اور اسے سنہ ۵۱۶ ہجری میں احمد بن شہریار نے کتابی شکل دی۔ (39) اس کے اندر موجود دعاؤں کے مفاہیم کو مد نظر

رکھتے ہوئے کئی جید علما نے اسے اہم اسلامی کتابوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔ اس کی سند سے اغماض نظر بھی کر لیں تو خود دعائیں اور ان کے مفاہیم اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ کسی معصوم کی زبان سے ہی صادر ہوئے ہیں۔ صحیفہ سجادیہ در حقیقت امام سجادؑ کی بعض دعاوں پر مشتمل کتاب ہے امام سجادؑ کی کچھ اور بھی دعائیں ہیں جنہیں معروف محدث اور عالم دین میرزا نوری (محدث نوری) نے جمع کرکے ان کا نام "الصحیفۃ السجادیہ الثانیہ والثالثہ" رکھا ہے۔(40)

معروف عالم دین آقابزرگ تہرانی نے اپنی کتاب" الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" میں صحیفہ سجادیہ کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے: "الصحیفۃ الاولی، المنتھی بسندھا الی الامام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالبؑ المعبر عنھا"اخت القرآن" و" انجیل اھل بیت" و" زبور آل محمد" و یقال لھا الصحیفۃ الکاملہ(41) یعنی: "پہلی صحیفہ، جس کے اسناد امام زین العابدینؑ تک متصل ہوتے ہیں کو" اخت القرآن"، "انجیل اھل بیت" اور زبور آل محمد کہا جاتا ہے اور اس کو صحیفہ کاملہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے"۔

ب۔ "رسالۃ الحقوق"

رسالہ حقوق امام سجادؑ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں آپ نے مومنین کی دوسروں سے متعلق اہم اخلاقی ذمہ داریاں بیان کی ہیں، جن میں والدین کی اولاد سے متعلق فرائض، اولاد کے والدین سے متعلق، میاں بیوں کے ایک دوسرے سے متعلق فرائض، ہمسائیوں کے حقوق، اساتذہ اور شاگردوں کے ایک دوسرے سے متعلق حقوق اور انسانی اعضا کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ اس رسالہ میں موجود اخلاقی مفاہیم کی اہمیت کی بنا پر اہم علما نے اس کا تذکرہ اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں سے "تحف العقول"، "خصال"، اور "من لا یحضرہ لفقیہ" کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے تمام مطالب "وسائل الشیعہ" (42) اور "تحف العقول" (43) سے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ اس کتاب پر تقریباً پچاس شروحات تحریر کی گئی ہیں (44) جن میں سے علامہ سید حسن بن علی الحسینی القبانچی کی" شرح رسالۃ الحقوق" معروف ہے۔(45)

ج۔"مناسک الحج"

امام سجادؑ سے منسوب حج سے متعلق فقہی احکام پر مشتمل کتاب ہے جو تیں ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی تصحیح شدہ نسخے کو معاصر عراقی دانشور سید محمد بن حسین الجلال نے بغداد عراق سے شائع کیا ہے۔(46)
اس کے علاوہ امام سجاد سے منسوب کچھ اور کتابیں بھی مختلف اسلامی منابع میں نقل ہوئی ہیں جن میں سے امام سجادؑ کے شاگرد خاص ابو حمزہ ثمالی سے منقول "صحیفۃ الزھد" اور "الجامع فی الفقہ" کا نام لیا جا سکتا ہے۔(47) بحار الانوار میں موجود ایک روایت کے مطابق امام سجادؑ نے اپنی شہادت سے پہلے امام محمد باقرؑ کو ایک صندوق حوالہ کیا جس میں آپ کی مکتوب کتابیں موجود تھیں۔(48)
مختلف اسلامی منابع کی روشنی میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ قرن اول میں ائمہ اہل بیت کی حدیث کے فروغ کے لیے انجام دی جانے والی خدمات تھیں۔قرن اول اسلامی تاریخ میں حدیث کے حوالے سے اچھے عنوان سے یاد نہیں کیا جاتا ہے چونکہ اس صدی میں نہ صرف مختلف احادیث رسول ﷺ کو جلایا گیا بلکہ اس کے ساتھ نقل اور نشر حدیث کرنے والے صحابہ اور تابعین کو اذیت اور آزار سے دوچار کیا گیا۔اس کٹھن مرحلے میں ائمہ اہل بیتؑ نے رائج حکومتی پالیسی سے ہٹ کے حاصل وقت اور میسر فرصت سے تشنگان حدیث کو سیراب کیا۔تمام اسلامی مکاتب میں صرف مکتب اہل بیت کو ہی یہ افتخار حاصل ہے کہ اس مکتب میں کسی بھی دور میں باقاعدہ اور مربوط علمی جمود نہیں رہا ہے۔ہاں یہ الگ بات ہے کہ حکمرانوں کے جبر سے کئی اماموں کو علمی مشاغل کے لیے وقت میسر نہیں ہوا اس کے باوجود کبھی بھی اہل بیتؑ نے علم کے حصول اور اس کے نشر واشاعت کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔

*****

حوالہ جات

1۔ مصطفوی، سید حسن، التحقیق فی کلمات القرآن، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ش، ج۱ص ۱۶۹، تہران، ایران
2۔ قرشی، علی اکبر، قاموس قرآن، دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۷۱ش، ج۱ص ۱۳۵، تہران، ایران

3۔ابن فارس، احمد بن فارس، معجم مقیاس اللغۃ، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۴۰۴ق، ج۱، ص ۱۳۵، قم، ایران
4۔احزاب، آیہ ۳۳
5۔ھود، آیت ۴۶
6۔ مسلم بن حجاج، ابوالحسین، صحیح مسلم، دارالفکر، س ن، ج ۶، ص ۳۔ ۴، بیروت، لبنان
7۔العین ج ۳ ص ۱۱۷
8 ۔ مفردات راغب، ص ۱۱۰
9۔ تحریم ۳، نسا ۷۸، نجم ۵۹
10۔عاملی، محمد بہاوالدین، الوجیزۃ فی علم الدرایۃ، المکتبۃ الاسلامیہ الکبری، ۱۳۹۶ق، ص ۲، قم، ایران
11۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ج ۱۰، موسسہ الوفا، ۱۴۰۳ق، ص ۱۲۰، بیروت، لبنان
12۔ ہندی، حسام الدین، کنزل العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ق، ج ۲، ص ۲۰۱، بیروت، لبنان
13۔ فیض کاشانی، ملا محمد محسن، تفسیر صافی، دفتر نشر نوید اسلام، ۱۳۸۹ش، مقدمہ، ص ۱۱، قم، ایران
14۔ نصیری، علی، آشنائی باعلوم حدیث، مرکز حدیث حوزہ، ۷۷ ۱۳ش، ص ۵۷، قم، ایران
15۔ صفار، محمد بن حسن، بصائر الدرجات، منشورات مکتبۃ مرعشی، ۱۴۰۴ق، ص ۱۸۷، قم، ایران
16۔علامہ حلی، حسن بن یوسف، مختلف الشیعہ، موسسہ النشر، ۷۴ ۱۳ش، ج ۹، ص ۲۹، قم، ایران
17۔بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۳۴
18۔بحار الانوار، ج ۹ ص ۶۵۸
19۔صدر، سید حسن، ،تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، اعلمی، ۷۶ ۱۳ش، ص ۳۱۸، تہران، ایران
20۔شرف الدین، عبدالحسین، ، المراجعات، موسسہ النجاح، ۱۳۹۹ق، ص ۳۰۵، مصر
21۔ حسینی جلالی، سید محمد رضا، ،تدوین السنۃ الشریفہ، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۴۱۳ق، ص ۷ ۱۳، قم، ایران
22۔آقابزرگ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۱۴، ص ۱۶۱، ۱۱۱
23۔تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۳۸
24۔تدوین السنۃ الشریفہ، ص ص ۱۴۳
25۔ نجاشی، احمد بن علی، رجال النجاشی، موسسہ النشر الاسلامی، ۱۴۰۵ق، ص ۶، قم، ایران
26۔ایضا، ص ۸

27۔ایضا، ص ۷

28۔تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۴۰

29۔الذریعہ، ج ۲۱، ص ۱۲۶

30۔بصائر الدرجات، ص ۱۵۰

31۔کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، ج ۵، ص ۲۲۹

32۔بصائر الدرجات ص ۱۸۷

33۔کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، دار الاضوا، ۱۴۰۵ق، ج ۱، ص ۲۳۵ کتاب الحجۃ، ح ۷، بیروت، لبنان

34۔بصائر الدرجات ص ۱۸۷

35۔طوسی، محمد بن حسن، رجال الطوسی، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، ۱۳۷۹ش، ص ۳۹، قم، ایران

36۔ذہبی، شمس الدین، سیر اعلام النبلا، موسسہ الرسالۃ، ۱۴۰۶ق، ج ۳، ص ۲۴۵، بیروت، لبنان

37۔موسوی، علاوالدین، کتاب سلیم بن قیس، موسسہ البعثہ، ۱۴۰۷ق، ص ۱۶۷، تہران، ایران

38۔مودب، سید رضا، تاریخ حدیث، مرکز بین المللی جامعۃ المصطفیٰ، ۱۳۹۳ش، ص ۴۹، قم، ایران

39۔رجال الطوسی، ص ۸۰۔۱۰۲

40۔صحیفہ سجادیہ، سپہر، ۱۳۵۳ش، مقدمہ۔ص ۲۴، تہران، ایران

41۔حر عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، مکتبۃ الاسلامیہ الکبری، ۱۳۹۶ ق، ج ۱۱، ص ۱۳۱، تہران، ایران

42۔الذریعہ، ج ۱۵، ص ۱۸

43۔وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ،، ج ۱۱، ص ۱۳۱، تہران، ایران

44۔حرانی، حسن بن علی شعبہ، تحف العقول، (تصحیح علی اکبر غفاری)، کتاب فروشی اسلامیہ، ۱۴۰۰ق، ص ۲۵۵، تہران۔

45۔الذریعہ، ج ۱۳، ص ۳۴۶۔۳۵۹

46۔تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۵۱

47۔تدوین السنۃ الشریفہ، ص ۱۵۱

48۔قریشی، شریف، حیاۃ الامام زین العابدینؑ، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۷ق، ج ۲، ص ۲۱۹، قم، ایران

شیخ صدوقؒ زمانہ غیبت صغریٰ کے عظیم محدّث

سید علی رضا کاظمی*
aliraza7429@gmail.com

کلیدی کلمات: امام زمانہؑ، شہر رے، نواب اربعہ، کتب اربعہ، غیبت کبریٰ وصغریٰ

خلاصہ

شیخ صدوقؒ ایران کے مقدس شہر قم میں ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن کے ایام اپنے والد کے زیر سایہ گزارے۔ بعض علمائے رجال نے آپ کو "رئیس المحدثین" اور "صدوق الطائفہ" جیسے القاب سے نوازا ہے۔ شیخ کے زمانے کی اہم ترین سیاسی اور سماجی روئیداد غیبت صغریٰ اور کبریٰ ہے۔ لہٰذا شیخ نے امامؑ کے نواب اربعہ میں سے تیسرے اور چوتھے نائب کا زمانہ درک کیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ نے اپنی زندگی کے ۲۲ یا ۲۳ سال غیبت صغریٰ میں اور بقیہ زندگی غیبت کبریٰ میں بسر کی ہے۔

آپ کے زمانے میں بنی عباس کا سلسلہ حکومت تھا۔ اسی زمانے میں شیخ صدوقؒ کے بقیہ ادیان و مذاہب سے علمی مناظرات بھی منعقد ہوئے جن میں انہوں نے اپنی علمی، اخلاقی اور معنوی شخصیت کا لوہا منوایا۔ اسی دوران شیخ صاحب بن عبّاد کے کتابخانے سے مستفید ہوئے اور بہت سے مشائخ حدیث سے استماع حدیث کیا۔ اس دور میں آپ نے اہم ترین کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" تدوین کی۔ آپ کی تالیفات کی تعداد ۳۰۰ کے قریب ہے۔ شیخ صدوقؒ نے عالم اسلام کے بہت سے شہروں کا سفر کیا اور کئی علمی، فکری اور تدریسی امور انجام دیے۔ آخر کار یہ عظیم عالم اور محدث ۳۸۱ھ میں اس دار فانی سے وداع کر گئے اور انہیں حضرت عبد العظیم حسنی کے جوار بابرکت میں دفن کیا گیا۔

*۔ مذہبی سکالر و محقق (حوزہ علمیہ قم)

محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ معروف بہ شیخ صدوقؒ ایران کے مقدس شہر قم میں ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا۔ والد محترم علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی اپنے زمانے کے جید علما اور باعظمت فقہا میں شمار ہوتے تھے۔ اگرچہ ان ایام میں قم علما اور فقہا کا مرکز تھا، لیکن پرچم ہدایت و مرجعیت اسی عالم زاہد و عابد کے ہاتھوں میں تھا۔ آپ کے والد گرامی کی عظمت و شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کو وقت کے گیارہویں امام (امام حسن عسکری علیہ السلام) نے خط لکھا اور اس میں آپ کو "شیخ" ، "فقیہ" اور "قابل اعتماد" انسان جیسے القاب سے نوازا۔ یہ خط اپنی نوعیت کا ایک منفرد خط ہے جو امامؑ نے اپنے کسی نہایت قابل اعتماد انسان کو لکھا ہے۔

اصحاب تراجم و مؤلفین حدیث و رجال اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ صدوقؒ کی ولادت با سعادت غیبت صغریٰ کے زمانے میں حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی خصوصی دعا سے ہوئی۔ خود شیخ صدوقؒ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ امام زمانؑہ کی بابرکت دعائے سے پیدا ہوئے:

"اَنَ أَبُوعَبْدِ اللهِ الْحُسَيْنُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ يَقُولُ أَنَا وُلِدْتُ بِدَعْوَةِ صَاحِبِ الْأَمْرِ(ع)" (1)

یعنی: "ابو عبداللہ حسین ابن عبید اللہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابو جعفر کو یہ کہتے سنا کہ میں صاحب الامر (علیہ السلام) کی دعا سے پیدا ہوا۔"

اگرچہ کسی تذکرہ نویس نے آپ کی سوانح حیات میں اس بات کا صراحت سے ذکر نہیں کیا کہ آپ کی تاریخ ولادت کس سال اور کس مہینے میں ہوئی تاہم جو بات مسلّمہ طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۳۰۵ ہجری سے قبل نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپ کے والد گرامی علی بن بابویہ قمی نے امامؑ کو خط لکھا اور اسے امامؑ کے نائب خاص اور وکیل، شیخ ابو القاسم حسین بن روح کے سپرد کیا۔ دوسری جانب سے ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ۳۰۵ ہجری تک محمد بن عثمان امامؑ کے وکیل خاص رہے۔ اور جس سال محمد بن عثمان کی رحلت ہوئی، وکالت حسین بن روح کے سپرد کی گئی تھی۔ ان قرائن کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ صدوقؒ کی ولادت ۳۰۵ ہجری کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔

بچپن

شیخ صدوقؒ کے بچپن اور لڑکپن کے ایام اپنے والد گرامی کے زیر سایہ گزرے۔ شیخؒ نے اس دوران اپنے اس عظیم والد کے زیر سایہ رہ کر تعلیم و تربیت کے مختلف مراحل کو طے کیا اور انہی کی زیر سرپرستی مختلف علوم و معارف کو اعلیٰ اخلاق، عملی و تربیتی مراحل کے ساتھ طے کیا کہ جس کی مثال اپنے زمانے میں کہیں نہیں ملتی۔ لہٰذا وہ اپنے زمانے میں اسلامی اخلاق و کردار کا عمدہ نمونہ سمجھے جاتے تھے۔ وہ خداداد صلاحیت، قوت حافظہ اور فہم و فراست میں بے پناہ کمالات کے مالک تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بیس سال کی عمر میں ہزاروں احادیث و روایات کے مجموعے کو ان کی مکمل اسناد کے ساتھ حفظ کیا۔ ابھی آپ کا سن فقط ۲۲ یا ۲۳ سال تھا کہ آپ کے والد گرامی کا سایہ اٹھ گیا اور اپنے اس عظیم مربی کی شفقت سے محروم ہونے کے بعد احادیث آلِ محمد ﷺ کی تبلیغ و نشر ذمہ داری آپ پر آپڑی اور اُمت کی ہدایت کا بوجھ بھی آپ کے سر آپڑا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے بارے میں علمائے امامیہ کے اقوال:

بعض علمائے رجال جیسے ''شیخ طوسیؒ'' اور ''نجاشیؒ'' نے آپ کو ''رئیس المحدّثین'' اور ''صدوق الطائفہ'' جیسے القاب سے نوازا ہے۔ اور بعض دوسرے علما آپ کو دیگر عناوین جیسے ''وجہ الطائفہ'' اور ''الصدوق فی مایرویہ عن الائمۃ الطاھرین'' سے یاد کرتے ہیں اور مجموعی طور پر تمام فقہا اور علمائے اسلام آپ کو نہایت احترام و تعظیم سے یاد کرتے ہیں اور آپ کی عدالت کی توثیق کرتے ہوئے آپ کے علمی مقام کا نہایت فصیح و بلیغ انداز میں اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔ ان میں سے چند علما کے اقوال کچھ اس طرح ہیں :

۱۔ معروف فقیہ شیخ طوسیؒ:

''محمّد بن علی بن الحسین بن موسی بن بابویہ القمّی، یکنّی أبا جعفر. کان جلیلا، حافظا للأحادیث، بصیرا بالرجال، ناقدا للأخبار، لم یرفی القمیّین مثلہ فی حفظہ و کثرۃ علمہ.''(2)

یعنی: ''محمد ابن علی ابن الحسین ابن موسی ابن بابویہ قمی کی کنیت ابو جعفر ہے۔ آپ جلیل قدر کے مالک، احادیث کے حافظ، رجال میں بصیرت رکھنے والے اور احادیث کے ناقد تھے۔ اہل قم میں حافظے اور علم کی کثرت میں آپ سا کوئی فرد نہیں دیکھا گیا۔''

اگر شیخ طوسیؒ کی عبارت کو علم رجال و تراجم کے قواعد کی روشنی سے دیکھا جائے تو اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے مرحوم شیخ صدوقؒ کو اس نوعیت کے القاب سے یاد کرنا ان کے علم و فضل کی نشاندہی کرتا ہے۔ ''کان جلیلا'' سے مراد آپ نہایت بلند علمی و روحانی مقام کے حامل ہیں۔ دوسرا خطاب آپ کو '' حافظا للأحادیث'' کے عنوان سے دیا گیا ہے، جس میں آپ کے حدیث میں حافظہ سے متعلق اعتراف کیا گیا ہے۔ اور یہ ذکر پہلے بھی گذر چکا ہے کہ آپ کو فقط ۲۰ سال کے سن میں ہزاروں احادیث حفظ تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کو ''بصیرا بالرجال'' جیسے لقب سے نوازا گیا جو اس زمانے میں علمِ رجال و درایت کے ایسے ماہر کو دیا جاتا تھا جو روایات کے صحیح سلسلہ اسناد کی مکمل شناخت و آگاہی رکھتا ہو اور پھر آپ کو ''ناقدا للأخبار'' جیسے علمی و فنّی لقب سے نوازا گیا، جس سے مراد ہے کہ آپ سلسلہ احادیث پر علمی و فنی تنقید کے ماہر تھے اور اپنے زمانے میں شہر مقدس قم کی ان نمایاں شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا تھا جو احادیث کے حفظ اور اس کی تعلیم و تبلیغ میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔ اور علمِ حدیث و روایات آپ کی تالیفات کی مجموعی تعداد ۳۰۰ کے قریب ہے جس سے آپ کے علم حدیث میں تبحر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۲۔ عظیم رجالی عالمِ نجاشیؒ:

محمد بن علی بن الحسین بن موسی بن بابویه القمی أبو جعفر، نزیل الری، شیخنا و فقیهنا و وجه الطائفة بخراسان، و کان ورد بغداد سنة خمس و خمسین و ثلاثمائة، و سمع منه شیوخ الطائفة و هو حدث السن. و له کتب کثیرة، منها: کتاب التوحید، کتاب النبوة، کتاب إثبات الوصیة لعلی علیه السلام، کتاب إثبات خلافته، کتاب إثبات النص علیه، کتاب إثبات

النص على الأئمة عليهم السلام، كتاب المعرفة في فضل النبي و أمير المؤمنين و الحسن و الحسين عليهم السلام... كتاب تفسير القرآن، جامع كتاب أخبار عبد العظيم بن عبد الله الحسني، كتاب تفسير قصيدة في أهل البيت عليهم السلام، أخبرني بجميع كتبه و قرأت بعضها على والدي علي بن أحمد بن العباس النجاشي رحمه الله و قال لي: أجازني جميع كتبه لما سمعنا منه ببغداد و مات رضي الله عنه بالري سنة إحدى و ثمانين و ثلاثمائة. (3)

یعنی: "محمد ابن علی ابن الحسین ابن موسی ابن بابویہ ابو جعفر القمی، رے کے رہنے والے، ہمارے شیخ اور فقیہ اور خراسان میں (شیعہ) طائفہ کی پہچان، 355 میں بغداد میں وارد ہوئے۔ ابھی آپ نوجوان تھے کہ آپ سے طائفہ کے شیوخ نے احادیث سماع کیں۔ آپ کی بہت زیادہ تالیفات ہیں۔ ان میں سے "کتاب التوحید"، "کتاب النبوّۃ"، حضرت علی علیہ السلام کی وصایت کے اثبات پر کتاب، حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے اثبات پر کتاب، آپ کی امامت پر نص پر کتاب، ائمہ علیہم السلام کی امامت پر نص پر کتاب۔ نبی اکرم، امیر المومنین اور حسن و حسین علیہم السلام کی فضیلت کی معرفت پر کتاب۔۔۔قرآن کریم کی تفسیر پر کتاب، عبد العظیم الحسنی کی روایات کی کتاب کا مجموعہ، اہل بیت علیہم السلام کی شان میں قصیدہ کی تفسیر پر کتاب شامل ہیں۔ مجھے ان کی تمام کتابوں کے بارے میں خبر دی اور میں نے ان میں سے بعض کتابیں اپنے والد علی ابن احمد ابن عباس نجاشی علیہ الرحمہ سے پڑھی ہیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ جب ہم بغداد میں ان کے پاس سماع کرتے تھے تو انہوں نے مجھے اپنی تمام کتب کی اجازت دی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے 381 میں رے میں وفات پائی۔"

مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے نجاشیؒ، شیخ صدوقؒ کے خاص مقام و عظمت کے قائل تھے۔ اسی طرح نجاشی آپ کو "شیخنا و فقیهنا و وجه الطائفة بخراسان" جیسی عبارات سے نوازتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ آپ خراسان کے علمائے شیعہ کے شیخ (استاد و عالم حدیث) اور فقیہ (مرجع) ہونے کے علاوہ وہاں کے شیعوں کیلئے ایک عظیم و درخشاں شخصیت بھی سمجھے جاتے تھے۔ اُن کی عبارت

سے یہ بھی واضح و نمایاں ہوتا ہے کہ آپ نے نوجوانی میں بغداد کا سفر کیا اور وہاں عظیم شیعہ شیوخ حدیث نے آپ سے استماع حدیث کیا۔ نجاشی نے آپ کی جن کتابوں کی تفصیل یہاں بیان کی ہے اُن کی فہرست درج ذیل ہے:

.1	کتاب مدینۃ العلم	.2	کتاب المقنع فی الفقہ	.3	کتاب العرض علی (فی) المجالس
.4	کتاب علل الشرائع	.5	کتاب ثواب الأعمال	.6	کتاب عقاب الأعمال
.7	کتاب الأوائل	.8	کتاب الأواخر	.9	کتاب الأوامر
.10	کتاب المناہی	.11	کتاب الفرق	.12	کتاب خلق الإنسان
.13	کتاب الرسالۃ الأولیۃ فی الغیبۃ	.14	کتاب الرسالۃ الثانیۃ	.15	کتاب الرسالۃ الثالثۃ
.16	کتاب الرسالۃ فی إرکان الإسلام	.17	کتاب المیاہ	.18	کتاب السواک
.19	کتاب الوضوء	.20	کتاب التیمم	.21	کتاب الأغسال
.22	کتاب الحیض و النفاس	.23	کتاب نوادر الوضوء	.24	کتاب فضائل الصلاۃ
.25	کتاب فرائض الصلاۃ	.26	کتاب فضل المساجد	.27	کتاب مواقیت الصلاۃ
.28	کتاب فقہ الصلاۃ	.29	کتاب الجمعۃ والجماعۃ	.30	کتاب السہو
.31	کتاب الصلوات سوی الخمس	.32	کتاب نوادر الصلاۃ	.33	کتاب الزکاۃ
.34	کتاب الخمس	.35	کتاب حق الجداد	.36	کتاب الجزیۃ
.37	کتاب فضل المعروف	.38	کتاب فضل الصدقۃ	.39	کتاب الصوم
.40	کتاب الفطرۃ	.41	کتاب الاعتکاف	.42	کتاب جامع الحج
.43	کتاب جامع علل الحج	.44	کتاب جامع تفسیر المنزل فی الحج	.45	کتاب جامع حجج الأنبیاء
.46	کتاب جامع حجج الائمۃ علیہم السلام	.47	کتاب جامع فضل الکعبۃ و الحرم	.48	کتاب جامع آداب المسافر للحج
.49	کتاب جامع فرض الحج والعمرۃ	.50	کتاب جامع فقہ الحج	.51	کتاب إدعیۃ الموقف
.52	کتاب القربان	.53	کتاب المدینۃ وزیارۃ قبر النبی و الائمۃ علیہم السلام	.54	کتاب جامع نوادر الحج

.55	کتاب زیارات قبور الائمۃ ع	.56	کتاب النکاح	.57	کتاب الوصایا
.58	کتاب الوقف	.59	کتاب الصدقۃ والنحل والہبۃ	.60	کتاب السکنی والعمری
.61	کتاب الحدود	.62	کتاب الدیات	.63	کتاب المعایش والمکاسب
.64	کتاب التجارات	.65	کتاب العتق والتدبیر والمکاتبۃ	.66	کتاب القضاء والأحکام
.67	کتاب اللقاء والسلام	.68	کتاب صفات الشیعۃ	.69	کتاب اللعان
.70	کتاب الاستسقاء	.71	کتاب فی زیارۃ موسی ومحمد علیہما السلام	.72	کتاب جامع زیارۃ الرضا علیہ السلام
.73	کتاب فی تحریم القفاع	.74	کتاب المتعۃ	.75	کتاب الرجعۃ
.76	کتاب الشعر	.77	کتاب معانی الأخبار	.78	کتاب السلطان
.79	کتاب مصادقۃ الإخوان	.80	کتاب فضائل جعفر الطیار	.81	کتاب فضائل العلویۃ
.82	کتاب الملاہی	.83	کتاب السنۃ	.84	کتاب فی عبد المطلب و عبد اللہ و ابی طالب علیہم السلام
.85	کتاب فی زید بن علی علیہ السلام	.86	کتاب الفوائد	.87	کتاب الإنابۃ
.88	کتاب الہدایۃ	.89	کتاب الضیافۃ	.90	کتاب التاریخ
.91	کتاب علامات آخر الزمان	.92	کتاب فضل الحسن والحسین علیہما السلام	.93	کتاب رسالۃ فی شہر رمضان
.94	جواب رسالۃ وردت فی شہر رمضان	.95	کتب المصابیح: المصباح الأول ذکر من روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من الرجال	.96	المصباح الثانی ذکر من روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من النساء
.97	المصباح الثالث ذکر من روی عن امیر المؤمنین علیہ السلام	.98	المصباح الرابع ذکر من روی عن فاطمۃ علیہا السلام	.99	المصباح الخامس ذکر من روی عن ابی محمد الحسن بن علی علیہ السلام
.100	المصباح السادس ذکر من روی عن ابی عبداللہ الحسین بن علی علیہ السلام	101	المصباح السابع ذکر من روی عن علی بن الحسین علیہ السلام	102	المصباح الثامن ذکر من روی عن ابی جعفر محمد بن علی علیہ السلام
.103	المصباح التاسع ذکر من روی عن ابی عبد اللہ الصادق علیہ السلام	104	المصباح العاشر ذکر من روی عن موسی بن جعفر علیہ السلام	105	المصباح الحادی عشر ذکر من روی عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام
.106	المصباح الثانی عشر ذکر من	107	المصباح الثالث عشر ذکر من	108	المصباح الرابع عشر ذکر من

	روی عن ابی جعفر الثانی علیہ السلام		روی عن ابی الحسن علی بن محمد علیہ السلام		روی عن ابی محمد الحسن بن علی علیہ السلام
.109	المصباح الخامس عشر ذکر الرجال الذین خرجت إلیہم التوقیعات	110	کتاب غریب حدیث النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و امیر المؤمنین علیہ السلام	111	کتاب الرجال المختارین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ
.112	کتب الزہد: کتاب زہد النبی ص	113	کتاب زہد امیر المؤمنین ع	114	کتاب زہد فاطمۃ علیہا السلام
.115	کتاب زہد الحسن علیہ السلام	116	کتاب زہد الحسین علیہ السلام	117	کتاب زہد علی بن الحسین علیہ السلام
.118	کتاب زہد ابی جعفر ع	119	کتاب زہد الصادق علیہ السلام	120	کتاب زہد ابی ابراہیم علیہ السلام
.121	کتاب زہد الرضا علیہ السلام	122	کتاب زہد ابی جعفر الثانی ع	123	کتاب زہد ابی الحسن علی بن محمد ع
.124	کتاب زہد ابی محمد الحسن بن علی ع	125	کتاب اوصاف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ	126	کتاب دلائل الائمۃ و معجزاتہم علیہم السلام
.127	کتاب الروضۃ	128	کتاب نوادر الفضائل	129	کتاب المحافل
.130	کتاب امتحان المجالس	131	کتاب المواعظ	132	کتاب الخصال
.133	کتاب مختصر تفسیر القرآن	134	کتاب اخبار سلمان و زہدہ و فضائلہ	135	کتاب اخبار ابی ذر و فضائلہ
.136	کتاب التقیۃ	137	کتاب حذو النعل بالنعل	138	کتاب نوادر الطب
.139	کتاب جوابات المسائل الواردۃ علیہ من واسط	140	کتاب الطرائف	141	کتاب جوابات المسائل الواردۃ علیہ من قزوین
.142	کتاب جوابات مسائل وردت من مصر	143	"کتاب "جوابات مسائل وردت من البصرۃ	144	"کتاب "جوابات مسائل وردت من الکوفۃ
.145	جواب مسألۃ وردت علیہ من المدائن فی الطلاق	146	ذکر المجلس الذی جری لہ بین یدی رکن الدولۃ	147	کتاب فیہ ذکر من لقیہ من اصحاب الحدیث و عن کل واحد منہم حدیث
.148	کتاب العلل غیر مبوب	149	ذکر مجلس آخر	150	ذکر مجلس ثالث

.151	ذکر مجلس رابع	152	ذکر مجلس خامس	153	کتاب الخذاء والخف
.154	کتاب الخاتم	155	کتاب علل الوضوء	156	کتاب الشوری
.157	کتاب اللباس	158	کتاب المسائل	159	کتاب الخطاب
.160	کتاب فضل العلم	161	کتاب الموالاۃ	162	کتاب مسائل الوضوء
.163	کتاب مسائل الصلاۃ	164	کتاب مسائل الزکاۃ	165	کتاب مسائل الخمس
.166	کتاب مسائل الوصایا	167	کتاب مسائل المواریث	168	کتاب مسائل الوقف
.169	کتاب مسائل النکاح ثلاثۃ عشر کتابا	170	مسائل الحج	171	کتاب مسائل العقیقۃ
.172	کتاب مسائل الرضاؑ	173	کتاب مسائل الطلاق	174	کتاب مسائل الدیات
.175	کتاب مسائل الحدود	176	کتاب إبطال الغلو والتقصیر	177	کتاب السر المکتوم إلی الوقت المعلوم
.178	کتاب المختار بن إبی عبید	179	کتاب الناسخ والمنسوخ	180	کتاب جواب مسائلۃ نیشابور (نیسابور)
.181	کتاب رسالتہ إلی إبی محمد الفارسی فی شہر رمضان	182	کتاب الرسالۃ الثانیۃ إلی إہل بغداد فی معنی شہر رمضان	183	کتاب إبطال الاختیار و إثبات النص
.184	کتاب المعرفۃ برجال البرقی	185	کتاب مولد إمیر المؤمنین علیہ السلام	186	کتاب مصباح المصلی
.187	کتاب مولد فاطمۃ علیہا السلام	188	کتاب الجمل		

۳۔ سید ابن طاووس

سید ابن طاووس نے بھی شیخ صدوقؒ کو ایک ایسی باعظمت شخصیت کا مالک قرار دیا ہے کہ جس کے علمی مقام اور عدالت (وثاقت) پر سب علماء اتفاق نظر رکھتے ہیں۔

۴۔ شہید اوّل

شہید اوّل آپ کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے شیعوں کے ''رہبر و پیشوا'' شمار ہوتے ہیں۔الإمام بن الإمام الصدوق۔(4)

۵۔سید محقق داماد

سید محقق داماد ان کو ''عروۃ الاسلام'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔

۶۔علامہ مجلسی

علامہ مجلسی آپ کو ان خصوصیات سے یاد کرتے ہیں:

من عظماء القدماء التابعين لآثار الأئمة النجباء الذين لا يتبعون الآراء و الأهواء و لذا ينزل أكثر أصحابنا كلامه و كلام أبيه رضى الله عنهما منزلة النص المنقول و الخبر المأثور۔(5)

علّامہ مجلسی آپ کے علمی تقویٰ کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ ان علما میں سے تھے جو فقط اپنے آئمہ معصومین علیہم السلام کے فرامین کے مکمل اتباع کرتے اور نفسانی خواہشات اور شخصی میلانات سے مکمل پرہیز کرتے تھے اسی لئے اکثر شیعہ علما آپ اور آپ کے والد گرامی کے کلام کو اہل بیت علیہم السلام کی احادیث و روایات کے مقام پر سمجھتے تھے۔اس تعبیر سے بھی شیخ صدوقؒ کی باعظمت شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔

۷۔علامہ بحرانیؒ

علامہ بحرانیؒ اسی بات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمارے فقہا کی ایک تعداد جن میں سے علّامہ حلّی ''مختلف الشیعہ'' میں اور شہید ''شرح الارشاد'' میں اور سید محقق داماد، شیخ صدوقؒ کی مرسلہ روایات کو صحیح کے مقام پر سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے کیونکہ جس طرح روایاتِ مرسلہ ابنِ ابی عمیر قابل قبول ہیں، روایات مرسلہ شیخ صدوق بھی قابل قبول ہیں۔(6)

۸۔مرحوم عبدالجلیل رازی قزوینی

مرحوم عبدالجلیل رازی قزوینی لکھتے ہیں کہ شیخ کبیر ابو جعفر بابویہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و فضیلت کا کوئی کیونکر ان کار کر سکتا ہے، جبکہ ان کی تصانیف، وعظ اور درس وتدریس کا سلسلہ سرزمین رے سے لے کر بلاد ترکستان و ایلاق تک پھیلا ہوا ہے اور ان کے علم و فضل کے اثرات، زہد و امانت کے ثمرات کسی پر پوشیدہ نہیں۔(7)

۹۔ شیخ بہائیؒ

شیخ بہائیؒ آپ کو "رئیس المحدّثین وحجۃ الاسلام" جیسے القاب سے نوازتے ہیں۔(8)

شیخ صدوقؒ اور غیبت کا زمانہ

بظاہر ہر فرد کی کامیابی میں اس کا ماحول کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ بلا شک و شبہ شیخ صدوقؒ کے زمانے کے حالات کا جائزہ لیے ل بغیر ان کی زندگی اور ان کی کامیابی کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنا ناممکن ہوگا۔ کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان ہے: فِي تَقَلُّبِ الْأَحْوَالِ عِلْمُ جَوَاهِرِ الرِّجَالِ(9) یعنی: "ہر انسان کی مردانگی کا جوہر اس کی زندگی کے بدلتے ہوئے حالات میں نمایاں ہوتا ہے۔"

شیخؒ کے زمانے کی اہم ترین سیاسی سماجی روئیداد غیبت صغریٰ اور کبریٰ ہے۔ لہٰذا شیخ نے امامؑ کے نواب اربعہ رحمۃ اللہ علیہم (10) میں سے تیسرے نائب شیخ ابو القاسم حسین بن روح (م ۳۰۶ یا ۳۰۷ ہجری) اور چوتھے نائب علی بن محمد سمری کا زمانہ درک کیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ نے اپنی زندگی کے ۲۲ یا ۲۳ سال غیبت صغریٰ میں گذارے ہیں اور بقیہ زندگی غیبت کبریٰ میں بسر کی ہے۔آپ کے زمانے میں بنی عباس کا سلسلہ حکومت تھا یعنی ۳۰۶ ہجری سے لے کر ۳۸۱ ہجری تک سات عباسی خلفا و حکّام کا دور حکومت و بادشاہت رہا جو درج ذیل ہیں:

۱۔ مقتدر (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ)	۲۔ قاھر (۳۲۰ھ تا ۳۲۲ھ)
۳۔ راضی (۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ)	۴۔ متقی (۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ)
۵۔ مستکفی (۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ)	۶۔ مطیع (۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ)
۷۔ طایع (۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ)	

اگرچہ اس صدی میں بہت سے عظیم تاریخی حوادث رونما ہوئے، جن میں سے ایک اہم موضوع بنی عباس کی مرکزی خلافت جس کا رقبہ مشرق میں ایران اور ہندوستان اور مغرب میں شام، مصر، اندلس اور مراکش تک پھیلا ہوا تھا، وہ اب شکستہ حالی کا شکار تھی اور اس کا استقلال زبوں حالی کی جانب گامزن تھا۔ حتی بعض علاقائی حکومتیں اگرچہ بغداد (مرکز خلافت) میں بنیں لیکن عملی طور پر خلیفہ کے احکامات کی تابع فرمان نہیں تھیں۔ یہاں تک کہ سوائے بغداد کے کوئی شہر ایسا نہیں تھا جس میں خلیفہ عباسی کا نفوذ

باقی رہ گیا ہو۔ حتیٰ کہ جب آل بویہ نے (۳۳۴ھ میں) بغداد پر حملہ کیا اور اس شہر کو بھی بنی عباس کے نفوذ سے خارج کر دیا تو خلیفہ کی طاقت ظاہری طور پر قصر بادشاہی کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی۔(11)

آل بویہ کو ظاہری طاقت و سیاسی قدرت ملنے کے بعد حالات یکسر بدل گئے اور ان حکمرانوں نے اپنی سیاست کی بنیاد "حسن سیاست و عوام سے خوش اسلوبی" اور "علم و دانش کی ترویج اور علما اور دانشوروں کی تکریم" جیسے اصولوں پر رکھی جس کی وجہ سے عالم اسلام میں یہ صدی " علمی نشات ثانیہ" کے نام سے مشہور ہے۔اسی لئے عصر آل بویہ کو "عصر کتاب و کتابخانہ"، "عصر تعلیم و تدریس"، اور "عصر رونق علم و دانش" کہا جاتا ہے۔اسی سلسلہ آل بویہ کے معروف سلطان رکن الدولہ نے رئیس المحدثین شیخ صدوقؒ کو "رے" جیسے عظیم شہر آنے کی باقاعدہ دعوت دی اور خود ان کا بڑے پرتپاک انداز میں استقبال کیا۔ شیخ کے سامنے ایک عمومی دعوت میں باقاعدہ طور پر نبوّت و امامت سے متعلق نہایت دشوار اور پیچیدہ سوالات پیش کئے گئے تاکہ وہ اس ذریعے سے شیخ کی علمی و اخلاقی حیثیت کا اندازہ لگا سکے۔ لیکن شیخ صدوقؒ نہایت متانت، صبر و تحمل اور بردباری سے تمام سوالات کے علمی اور استدلالی جواب پیش کرتے ہیں جس کا ذکر ان کی کتاب " کمال الدین" میں بھی ہوا ہے۔

اسی زمانے میں شیخ صدوقؒ کے بقیہ ادیان و مذاہب کے پیروکاروں سے علمی مناظرات بھی منعقد ہوئے۔ جن میں شیخ صدوقؒ نے اپنی علمی، اخلاقی اور معنوی شخصیت کا لوہا منوایا اور یہی وہ زمانہ ہے جب شیخ، صاحب بن عبّاد کے وسیع و عریض کتابخانے سے مستفید ہوتے ہیں اور اسی شہر میں موجود بقیہ مشائخ حدیث سے استماع حدیث کرتے ہیں جن کا ذکر ان کی مختلف کتب میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہاں شیخ کو فرصت ملی تو آپ نے شیعوں کی اہم ترین کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" کو تدوین کیا جو شیعہ فقاہت کا ایک بڑا منبع شمار ہوتی ہے۔

علمی سفر اور خدمات

اگر آپ کی تالیفات کو مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو جس سے معارفِ قرآن و اہلبیت علیہم السلام، فقہ و اخلاق، تاریخ اسلام، مناقب و فضائل، کلام و اعتقادات، کا ایک وسیع و عریض اسلامی انسائیکلوپیڈیا تشکیل پاتا

ہےاور آپ کی تالیف شدہ کتابوں کی تعداد ۳۰۰ کے قریب ہے۔ جن میں سے اکثر کا ذکر معروف رجالی نجاشی،آپ کے تذکرہ میں بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ شیخ صدوقؒ کی اکثر کتب، فقہی واعتقادی موضوعات پر مشتمل ہیں تاہم قرآن واہل بیت علیہم السلام کی احادیث کااس سے عظیم مجموعہ اس سے قبل موجود نہ تھا۔ لہٰذا شیخ صدوقؒ کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ آپ نے بیک وقت مختلف موضوعات پر کتب تحریر کیں۔ اپنی ایک قابل قدر کتاب ''عیون اخبار الرضا'' کو فقط صاحب بن عبّاد کیلئے تالیف کیااور اسے ہدیہ میں یہ کتاب دی۔(12)

شیخ صدوقؒ عالم اسلام کے معروف شہروں میں مسافرت کے لئے گئے اور وہاں مختلف نوعیت کے علمی، فکری، تدریسی و عبادی امور انجام دیے۔ شہر رے، جو قم کے بعد آپ کی رہائش رہا، مشہد مقدس آپ سلطان رکن الدولہ کے ساتھ زیارت امام رضاؑ کے لئے تشریف لے گئے۔ نیشاپور ۳۵۲ھ میں توقف کیا اور وہاں کے اکثر طالبان علم نے آپ سے کسب فیض کیااور آپ نے وہاں حسین بن احمد بیہقی اور دیگر علما سے استماع حدیث کیا۔ اس کے بعد آپ مرو مسافرت کیلئے عازم ہوئے جو خراسان کا ایک قدیمی شہر تھا،وہاں ابو یوسف جیسے دوسرے علما سے استماع حدیث کیا۔ مشہد مقدس سے زیارت کے بعد ۳۵۲ھ میں آپ بغداد تشریف لے گئے جہاں آپ نے حسین بن یحییٰ علوی اور ابراہیم بن ہارون جیسے مشائخ بغداد سے قرائت حدیث اور علم فقہ کے معارف کو دقّت سے سمجھا۔

۳۵۴ھ میں آپ زیارت بیت اللہ الحرام کے قصد سے مکّہ تشریف لے جانے لگے تو راستے میں کوفہ سے گذرے اور وہاں چند روز قیام کیا اور محمد بن بکران، احمد بن ہارون، حسن بن محمد ہاشمی اور علی بن حسین سے مسجد کوفہ میں استماع حدیث کیا۔ ۳۵۴ھ میں حج بیت اللہ سے شرفیاب ہوئے اور اس کے بعد پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مکّہ سے واپسی پر آپ ''فید'' کے مقام پر رکے جہاں آپ نے احمد بن ابی جعفر سے استماع حدیث کیا۔ ۳۵۵ھ میں مکّہ سے واپسی پر دوبارہ بغداد پلٹے جہاں آپ بغداد کے معروف عالم ورہنما محمد بن محمد بن نعمان معروف بہ شیخ مفیدؒ سے ملے جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیااور آپ سے محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخبار واحادیث استماع کیں۔

۳۵۵ھ میں حج سے واپسی پر ''ہمدان'' بھی تشریف لے گئے جہاں آپ نے قاسم بن عبدویہ سرّاج، محمد بن فضل جلّاب اور دوسرے فقہا سے استماع حدیث کیا،۳۶۷ھ میں دوبارہ زیارت امام رضاؑ کے قصد

سے مشہد تشریف لے گئے اور اسی سفر سے پلٹنے کے بعد ہی اپنی معروف کتاب ''امالی'' کو املا کروایا اور اس کتاب کے بعض حصّے اسی شہر میں تدوین کروائے۔ فرصت ملنے پر ۳۶۸ھ میں دور بارہ خراسان کا قصد کیا تو ماوراالنہر اور بلخ و بخارا بھی تشریف لے گئے اور اس سفر کے دوران امالی کا بقیہ حصہ املا کروایا۔
۳۶۸ھ میں سرخس سفر پر گئے تو ابی نصر سرخسی فقیہ سے استماع حدیث کیا۔ اسی طرح بلخ میں مختلف علما سے استماع حدیث کیا۔ فرغانہ میں شیعہ سنّی دونوں فرقے کے علما سے کسب فیض کیا، فرغانہ کے بعد سمرقند تشریف لے گئے جہاں آپ نے عبدوس بن علی گرگانی اور عبدالصمد انصاری سے استماع حدیث کیا، اس کے بعد ''ایلاق'' تشریف لے گئے تو وہاں اپنی عظیم کتاب ''من لایحضرہ الفقیہ'' تالیف کی۔ ایلاق کے سفر سے واپسی پر دوبارہ نیشاپور میں قیام کیا جہاں آپ نے علمی مذاکرات اور احکام دینی کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہیں پر آپ نے اپنی قابل قدر کتاب ''کمال الدین و تمام النعمہ'' تالیف کی جس میں حضرت مہدی ارواحنالہ الفدا کی شناخت اور مہدویت کے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اسی جگہ آپ عالمِ خواب میں زیارت امام زمان (عجل اللہ فرجہ الشریف) سے مشرف ہوئے جس کا تذکرہ آپ نے اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ انہی مسافرتوں کے دوران آپ استر آباد اور جرجان بھی تشریف لے گئے جہاں آپ نے محمد بن قاسم خطیب استر آبادی سے تفسیر معروف بہ تفسیر امام حسن عسکریؑ کو اخذ کیا اور اسی سے استماع حدیث بھی کیا۔ (13)

اہم تالیفات

آپ کی تالیفات میں سے بعض کے قلمی نسخے دنیا کی کئی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے جو کتب زیادہ اہمیت کی حامل ہیں اور ہم تک پہنچی ہیں، ان کی فہرست درج ذیل ہے:

.1	المقنع، (فقہ واحکام دین پر لکھی گئی کتاب)	.2	علل الشرائع، (فلسفہ احکام و تشریع کے اسباب)
.3	التوحید، (توحیدی مسائل اور عقائد)	.4	ثواب الاعمال و عقاب الاعمال
.5	العرض علی المجالس (الامالی)	.6	الاعتقادات، (شیعہ عقائد)

.7	الخصال المذمومہ والممدوحہ، (اخلاق اسلامی)	.8	عیون اخبار الرضا (تاریخ زندگی ائمہ ؑ
.9	دعائم الاسلام فی معرفۃ الحلال والحرام، (مسلمانوں کے عملی واجبات)		
.10	اثبات الولایۃ واثبات النص علی الائمہ، (اثبات ولایت و وصایت امیر المومنین علیؑ)		
.11	کمال الدین و تمام النعمہ، (حضرت حجت حق امام زمان (عج) کے وجود کا اثبات، غیبت کے دلائل اور ظہور کی شرائط)		
.12	من لایحضرہ الفقیہ، (احکام الٰہی اور فقہ آئمہ معصومینؑ پر مشتمل شیعہ جامع روائی "کتب اربعہ" کی عظیم ترین کتاب)		
.13	المواعظ۔ حقوق الاخوان۔ صفات الشیعہ، (حکمتِ عملیاور اخلاق اسلامی)		

نجاشی کے مطابق شیخ صدوقؒ کی تالیف کردہ کتب کی تعداد ۱۸۵ ہے لیکن ان تمام میں عناوین کا اختلاف موجود ہے۔ اگرچہ شیخ صدوقؒ کی بعض کتب چند صدیاں پہلے تک موجود تھیں لیکن بعض مشکلات کے باعث ناپید ہو گئی ہیں جن میں سے ایک کتاب "مدینۃ العلم" ہے جو تقریباً ۴۰۰ سال پہلے مفقود ہو گئی ہے۔ اگر یہ عظیم قیمتی مجموعہ موجود ہوتا تو شیعہ "کتب اربعہ" چار جامع روائی شیعہ کی بجائے "کتب خمسہ" میں سے ایک شمار ہوتی۔ یہ کتاب شہید اوّل (۷۸۶ھ) اور علّامہ حلی (م۷۲۶ھ) کے زمانے تک موجود تھی۔ علّامہ شیخ آقا بزرگ تہرانی لکھتے ہیں: قال الشیخ حسین بن عبد الصمد الحارثی فی درایتہ: و اصولنا الخمسۃ الکافی و مدینۃ العلم و کتاب من لایحضرہ الفقیہ و التھذیب و الاستبصار۔ (14) یعنی: "شیخ حسین بن عبد الصمد حارثی اپنی درایت میں لکھتے ہیں کہ: ہمارے اصول پانچ ہیں: الکافی، مدینۃ العلم، من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب اور استبصار۔"

وفات

آپ ستّر یا اس سے کچھ زائد سال کے سن میں سال ۳۸۱ھ میں اس دار فانی سے وداع کر گئے اور آپ کے جسد مطہر کو حضرت عبد العظیم حسنی کے جوار میں دفن کیا گیا جو آج بھی شہر رے میں مسلمانوں کی زیارتگاہ اور محلِ استجابتِ دعا ہے۔ آپ کی کرامات میں سے ایک کرامت جس کا لوگوں نے عینی مشاہدہ کیا ہے، یہ ہے کہ فتح علی شاہ قاجار کے دور (۱۲۳۸ھ) میں مرقد شریف شیخ صدوقؒ کہ جو "رے" کی سرزمین میں آج بھی موجود ہے کثرت بارش کے باعث خراب ہو رہی تھی اور اس میں کٹاؤ پڑ گیا۔ لہٰذا اس کے تعمیرِ نو کے لئے اس کے اطراف واکناف کو کھودا گیا تو اچانک اس سرداب تک کھدائی ہو گئی کہ جہاں ان کا مدفن تھا جب سرداب میں داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ان کا جسم ابھی بھی تر و تازہ ہے اور ان کا بدن مستور العورہ ہونے لگا اور ان کی انگلیوں پر خضاب کے نشانات ابھی بھی تازہ تھے اور ساتھ ہی میں ان کے کفن کے دھاگے بوسیدہ حالت میں نمایاں تھے۔ یہ خبر تیزی سے پورے تہران میں پھیل گئی اور سلطان تک یہ خبر پہنچی تو اس نے حکومت وقت کے مختلف اہل منصب کے ساتھ اس کرامت کے مشاہدے کا قصد کیا اور اکثر علما اور اشراف حکومت سرداب کے اندر تشریف لے گئے اور اپنی آنکھوں سے اس کرامت کا مشاہدہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اس عمارت کی باقاعدی تعمیر نو کی جائے اور اس عظیم بقعہ مبارکہ کی تزئین وآرائش کا انتظام کیا جائے۔ (15)

*****

حوالہ جات

1۔ مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، (بحار الأنوار (ط - بیروت)، ج51، ص: 307, (ط - بیروت)، ج51، م1110 ق)، محقق / مصحح: جمعی از محققان، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، چاپ: بیروت، سال 1403 ق، نوبت چاپ: دوم۔
2۔ شیخ طوسی، فہرست کتب الشیعۃ و اِصولہم و اِسماء المصنّفین و اِصحاب الأصول (ط - الحدیثۃ)، النص، ص: 442۔ ناشر: ستارہ، مکان چاپ: قم، سال: 1420 ق، نوبت چاپ: اول۔

3۔ نجاشی، احمد بن علی ابو العباس، رجال النجاشی، ص: 389 تا ۳۹۲، ناشر: مؤسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعہ المدرسین بقم المشرفہ، چاپ: قم، سال 1365 ش، نوبت چاپ: ششم۔

4۔ ابن بابویہ، محمد بن علی، (مقدمہ معانی الاخبار بقلم مرحوم آیۃ اللہ ربانی شیرازی بہ نقل از الاجازات، ص ۳۹، محقق / مصحح: غفاری، علی اکبر، مکتبہ الصدوق ۱۳۷۹ق۔

5۔ مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، (بحار الأنوار (ط - بیروت)، ج10، ص: 405، (ط - بیروت)، ج51، م1110 ق)، محقق / مصحح: جمعی از محققان، ناشر: دار إحیاء التراث العربی، چاپ: بیروت، سال 1403 ق، نوبت چاپ: دوم۔

6۔ سید محمد باقر خوانساری، روضات الجنّات، ج ۶، ص ۱۳۳، انتشارات اسماعیلیان، ۱۳۹۰ش۔

7۔ رسول جعفریان، تاریخ تشیّع در ایران، ص ۲۵۳ بہ نقل از کتاب ((النقض))، سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۳۶۳ش۔

8۔ شیخ بھائی، الدرایہ، ص ۹، ۱۳۸۴ش۔

9۔ صبحی صالح نہج البلاغۃ، کلمات قصار، ص: 507، سید رضی جمع آوری خطبات، نامہ ہا، و کلمات قصار سال ۱۳۸۵ش۔

10 ۔ نواب اربعہ غیبت صغریٰ کے دوران اُن خاص افراد کو کہا جاتا ہے جو لوگوں اور امامؑ کے درمیان واسطے اور رابطے کا کام سرانجام دیتے رہے ہیں، جن کے اسامی درج ذیل ہیں: ا۔ عثمان بن سعید (نمائندہ امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ)۔ ۲۔ محمد بن عثمان بن سعید فرزند عثمان بن سعید، ان دونوں نمائندوں کی مدّت نیابت تقریبا ۴۵ سال رہی ہے۔ ۳۔ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی، یہ وہی شخصیت ہے جس نے شیخ صدوقؒ کو والد گرامی کا خط امام زمان (عج) تک پہنچایا اور شیخ جیسے عظیم فرزند کی خبر ولادت باسعادت کو ان کے والد گرامی علی بن بابویہ تک پہنچائی، حسین بن روح ۲۱ سالہ نیابت کے بعد بالآخر ۳۲۶ ہجری میں وفات پائی۔ ۴۔ علی بن محمد سمری (سیمری) یہ امام (عج) کے آخری وکیل ہیں جو فقط ۳ سالہ نیابت کے بعد ۳۲۹ ہجری میں وفات پاگئے انہی کی وفات کے وقت غیبت صغریٰ کا زمانہ اختتام پذیر ہوتا ہے اور غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو آج تک چلا آرہا ہے" اللھم عجّل لولیك الفرج واجعلنا من اعوانه و انصاره و المستشهدین بین یدیه"

11۔ استانلی لین پول، طبقات سلاطین، ص ۱۲، ترجمہ: عباس اقبال، نشر دنیای کتاب، سال: ۱۳۶۳ش۔

12۔ شیخ صدوقؒ، عیون اخبار الرضا، ص ۴و۵، نشر صدوق، ۱۳۷۲ش۔

13۔ شیخ صدوق کے مختلف علمی سفر اور ان کی جزئیات کیلئے دیگر کتب سے رجوع کیا جائے کیونکہ یہاں اختصار کے باعث ان تمام اسفار کی کلیات ذکر کی ہیں، انکے تمام تر اسفار اور ان کی جزئیات کا جائزہ لینے کیلئے اور ان کی ترتیب کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جو تحقیقات مندرجہ ذیل کتابوں میں ذکر ہوئی ہیں ان کی جانب رجوع کیا جائے، مثلا: اعیان الشیعہ؛ مقدمہ

علل الشرائع بہ قلم محمد صادق بحر العلوم؛ تحقیقات عالمانہ مرحوم آیۃ اللہ ربانی شیرازی، جلد (۰)، بحار الانوار اور مقدمہ کتاب معانی الاخبار؛ رجال نجاشی اور من لایحضرہ الفقیہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

14۔ شیخ آقا بزرگ تہرانی، الذریعہ، ج۲۰، ص ۲۵۲، دار الاضواء بیروت، ۱۴۰۳ھ ق۔

15۔ سید محمد باقر خوانساری، روضات الجنات، ج۶، ص ۱۳۳، انتشارات اسماعیلیان، ۱۳۹۰ش۔

اخباری مسلک کا اجمالی تعارف (۱)

(تاریخ، شخصیات، نظریات)

ملک جرار عباس یزدانی*
Jarrar110@yahoo.com

کلیدی کلمات: اخباری، اخباریت، اہلحدیث، حشویہ، محدث، اجتہاد، عقل استرآبادی، اصولی، مجتہد۔

خلاصہ:

حدیثی مکاتب فکر کے بارے میں تحقیق اور جستجو اور ان مکاتب کے عروج و زوال کے بارے میں جاننا ایک اہم کام ہے، اخبار گرائی یا نص گرائی، قرون اولی میں شیعہ علماء اور محدثین کا اہم مکتب تھا، جسکی تاثیر ہم ان کے حدیثی، کلامی، فقہی اور اخلاقی آثار میں دیکھ سکتے ہیں۔ گیارہویں اور بارہویں صدی ہجری میں ایک نیا مکتب وجود میں آیا جسکا یہ دعوی تھا کہ وہ سابقہ علماء اور محدثین کی روش پر عمل پیرا ہے، لیکن اس مکتب کے کچھ خاص نظریات تھے جو اس مکتب کو علماء قدیم کی روش اور مکتب سے جدا کرتے تھے۔

اس فکری مکتب نے کہ جسے آج کل ''اخباریت یا اخباری مسلک'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اپنی مختصر تاریخ میں مختلف نشیب و فراز دیکھے ہیں، اخباری مسلک نے حدیث کے مکتوب آثار پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں، اور اسی طرح اصولی مجتہدین اور فقہاء کے لیے رکاٹیں بھی ایجاد کی ہیں، اگرچہ تاریخی اعتبار سے یہ کہا جاتا ہے کہ اخباری مسلک اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے، لیکن دوسری طرف اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس مکتب کے اصول اور نظریات دوبارہ سر اٹھانا شروع کردیں۔ اس مقالے میں سعی کی گئی ہے اختصار کے طور پر، اخباری مسلک کی تاریخ، اہم شخصیات اور مہم نظریات کا تعارف کروایا جائے، یہاں اس نکتہ کی جانب توجہ ضروری ہے کہ یہاں ہم صرف تعارف کروائیں اور اس مکتب کا تنقیدی جائزہ ہمارے مد نظر نہیں ہے۔

---

* ۔ ایم۔اے اسلامیات و عربی؛ ایم۔اے تاریخ اسلام؛ ایم۔ فل مذاہب اسلامی؛ ایم فل تاریخ تمدن اسلام، قم المقدسہ، ایران۔

مقدمہ

دسویں صدی ہجری میں ایران کے اندر صفوی خاندان مخصوص دینی نظریات کے ساتھ میدان سیاست میں وارد ہوا، صفوی خاندان کی حکومت کے دوران بالعموم اسلامی معاشرے میں اور بالخصوص شیعہ سوسائٹی کے اندر کچھ خاص تبدیلیاں وجود میں آئیں جو اس سے پہلے شیعہ تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتیں۔ ابھی اس خاندان کی حکومت کو وجود میں آئے ایک صدی بھی نہ گزری تھی کہ ''علمای امامیہ'' کے درمیان ایک ایسے علماء کا گروہ وجود میں آیا جنہوں نے ''عقل'' کی دینی امور میں دخالت پر اعتراضات اور اشکالات کرنا شروع کر دیئے۔ علماء کے اس گروہ کا نعرہ تھا کہ ''صرف اور صرف اہل بیتؑ کی احادیث سے تمسک کیا جائے اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ لوگ ''اخباری'' کے نام سے معروف ہوئے۔

اخباریت کا پھیلاؤ صرف فقہی مسائل تک محدود نہیں تھا، بلکہ انہوں نے اپنے اسلوب سے تمام اسلامی علوم اور دینی معارف کو متاثر کیا، اخباری علماء کے علمی آثار میں تنوع اور کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے فقہ سے ماوراء ہو کر تفسیر، حدیث، کلام کو بھی متاثر کیا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اخباریوں نے سب سے زیادہ جس چیز کو تنقید کا نشانہ بنایا اور جس پر نظریاتی طور پر حملہ کیا وہ شیعہ علمی مدارس اور مراکز (حوزات علمیہ) میں رائج روش اجتہاد تھی، اور اخباریت کے نظریاتی حملوں کی وجہ سے ایک وقت ایسا بھی آیا کہ علماء اجتہاد اور اصولی روش والے علماء کو گوشہ نشینی اختیار کرنا پڑی۔

بہر حال، اخباریوں کے پاس سب سے اہم دلیل شہر قم کا حدیثی مکتب تھا جو کہ تاریخی اعتبار سے ''دورہ حضور'' معصومینؑ کی زندگی سے لیکر شیخ صدوقؒ کے دور تک باقی تھا۔ لہٰذا اخباری علماء نے استنباط احکام کے سلسلے میں علم اصول فقہ سے مدد لینے کو ناجائز اور اہل سنت کی پیروی جانا، ان کی نظر میں فقہی مسائل کا اس اسلوب سے استنباط کرنا فقہاء کی مکتب اہل بیتؑ سے دوری کا نتیجہ تھا، لہٰذا ان کی نظر میں یہ کام اور اجتہاد کی یہ روش حرام تھی۔

اخباری مسلک، ملا محمد امین استرآبادی (متوفی ۱۰۳۲ھ) کی محنت شاقہ سے وجود میں آیا، لیکن اس مسلک کی شہرت کی وجہ سے اس مکتب کو اتنی آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ملا محمد امین استرآبادی نے اپنی کتاب ''الفوائد المدنیہ'' سے اخباری مسلک کو اسلامی علوم اور تاریخ تشیع میں ہمیشہ کے لیے امر

کر دیا۔انہوں نے اپنی اس کتاب میں پیروان اجتہاد (اصولی علماء) کو چیلنج کیا، اور اجتہاد اور تقلید کو ناجائز قرار دیا۔ ملا محمد امین استر آبادی نے ''ادلہ استنباط احکام شرعی'' کو ''قرآن اور سنت'' میں منحصر کر دیا، اور اجماع اور عقل کو دائرہ حجیت سے خارج کر دیا۔استر آبادی کے نزدیک قدیم علماء کی روش بالخصوص آئمہ کی زندگی میں اصحاب اور فقہاء کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مسائل شرعی اور فقہی میں مستقیما روایات کی طرف رجوع کرتے تھے نہ کہ ادلہ اجتھاد کی طرف۔

استر آبادی کی نظر میں لوگوں کو مجتہد اور مقلد میں تقسیم کرنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ غیر معصوم کی تقلید جائز نہیں ہے، لہٰذا تمام لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف معصومینؑ کی تقلید کریں۔ شیعوں میں اجتہادی روش کی تاریخی قدمت کے باوجود، ملا محمد امین استر آبادی اور ان کے ہمنواؤں کے تفکرات نے صفویوں کے دور حکومت میں شیعی حوزات علمیہ میں نفوذ پیدا کر لیا اور بہت سارے علماء اور دانشور اس طرز تفکر سے متاثر ہو کر ان کے حلقہ فکری میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔

بعض معاصر محققین کے نظریہ کے مطابق جن لوگوں نے ملا محمد امین استر آبادی کے نظریات کو قبول کیا ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ایک گروہ معتدل اور دوسرے شدت پسند اور افراطی تھے۔استر آبادی کے شدت پسند پیروکاروں میں سے ''عبد اللہ بن صالح سماہیجی (متوفی ۱۱۳۵ھ) صاحب کتاب ''منیۃ الممارسین'' اور مرزا محمد اخباری (متوفی ۱۲۳۲ ھ) مؤلف کتاب منیۃ المرتاد فی ذکر نفاۃ الاجتھاد'' کا نام سر فہرست ہے۔ دوسری طرف ایسے بہت سارے فقہاء اور محدثین تھے کہ جو مکتب اخباری کے پیروکار ہونے کے باوجود راہ اعتدال پر گامزن تھے، جیسے: محمد تقی مجلسی (متوفی ۱۰۷۲ھ)، ملا خلیل قزوینی (متوفی ۱۰۸۹ھ)، ملا محسن فیض کاشانی (متوفی ۱۰۹۱ھ)، شیخ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ)، اور شیخ یوسف بحرانی (متوفی ۱۱۸۶ھ)۔

اخباری مسلک کے مقابلے میں اصولی مکتب تھا، جو کہ اپنی گذشتہ اجتہادی روش پر کاربند تھے اور ان کا جھکاؤ علم اصول فقہ کی طرف باقی تھا۔ان دونوں مکاتب فکر (اصولی اور اخباری) کے پیروکاروں کے درمیان اس بات پر بہت گہرے اختلاف تھے کہ احادیث معصومینؑ سے کس طرح استفادہ کیا جائے اور ان سے کیسے احکام کو استنباط اور استخراج کی جائے، دونوں کے نزدیک ایک دوسرے کی روش غیر معتبر اور ناپسندیدہ تھی۔ان نظریاتی اختلافات نے گیارھویں صدی ہجری میں اصولیوں اور اخباریوں کو ایک دوسرے کے مد مقابل

لا کھڑا کیا، یہ نظریات اگرچہ علمی اور ثقافتی بنیادوں پر تھے لیکن شیعی معاشرے پر اس نے بہت گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے اور دو صدیوں تک شیعہ سوسائٹی ان اثرات سے سیاسی اور اجتماعی طور پر متاثر رہی۔ بارہویں صدی ہجری میں عراق کے مذہبی شہر خصوصا نجف اور کربلا اخباریوں کے اہم مراکز میں شمار ہوتے تھے اور اس زمانے میں اصولی علماء کا ذکر نہ ہونے کے برابر تھا۔ خصوصا شیخ یوسف بحرانی کے زمانے میں اخباریوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے، اصولی مجتہد گوشہ نشینی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

لیکن آہستہ آہستہ تاریخ نے پلٹا کھایا اور آقای وحید بہبہانی (متوفی ۱۲۰۵ھ) نے بڑے زور اور جذبہ سے اخباریت کے خلاف جدو جہد کا آغاز کیا، ان کی کاوشوں سے اخباریوں پر عرصہ حیات تنگ ہونا شروع ہوگیا جبکہ دوسری طرف اصولی مکتب فکر نے دوبارہ سر اٹھانا شروع کر دیا۔ آقای وحید بہبہانی کے بعد شیخ جعفر کاشف الغطا (متوفی ۱۲۲۷ھ) نے اخباریوں سے مقابلہ شروع کیا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سیاسی حمایت کی وجہ سے اخباریت کی بساط کو لپیٹنا مشکل ہے تو انہوں نے شاہ ایران فتح علی شاہ قاجار (قاچار) سے درخواست کی کہ وہ اخباریوں کی حمایت سے دستبردار ہوجائے۔ شیخ کاشف الغطا کے بعد شیخ انصاریؒ (متوفی ۱۲۸۱ھ) نے علم اصول فقہ کی ترویج کا بیڑا اٹھایا، انہوں نے جدید روش سے علم اصول کی بنیاد رکھی، جس سے اصولی مکتب فکر کو نجف اور کربلا میں کافی فروغ ملا، اور بالآخر اخوند خراسانی (صاحب کفایۃ الاصول) نے جب تدریس کا آغاز کیا تو اخباری مکتب کا عروج زوال میں تبدیل ہوگیا، موجودہ زمانے میں شاید ہی کوئی عالم موجود ہو جو کہ اخباری ہونے کا دعوی دار ہو۔

اخباری کا لغوی معنی

اخباری؛ یعنی جسکی نسبت اخبار کی طرف ہو،'' یعنی وہ شخص جو حکایات، قصوں، نوادر اور روایات کو نقل کرے'' اصولی مجتہد کے مقابلے میں۔(1) اخباری: ہمزہ مفتوحہ و خای نقطہ دار اور ساکن کے ساتھ، اخبار کی طرف منسوب ہے، اخبار خبر کی جمع ہے، اور اخباری اسکو کہتے ہیں جو گذشتہ زمانے کی تاریخ اور واقعات سے آشنا ہو، اخباری کو مؤرخ کا ہم پلہ شمار کیا جاتا ہے۔(2) صاحب المنجد نے ''اخباری کا لغوی معنی، تاریخ کی تدوین کرنے والا مؤرخ ۔کے طور پر ذکر کیا ہے۔(3) جامع فیروز

اللغات اردو میں حروف ''ا۔خ'' کے ذیل میں اس لفظ کا ذکر کیا گیا ہے جسکے معنی ''اخباری'' اخبار سے متعلق یا غیر مقلد فرقہ کے طور پر کیا گیا ہے۔(4)

اخباری کا اصطلاحی معنی اور تعریف

۱۔ اخباریت کی متعدد تعریفیں بیان کی گئی ہیں، محقق غلام رضا فتی، نے اپنے استاد جناب شیخ انصاریؒ سے اس مسلک پر اخباری کے عنوان کے اطلاق کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں:

اولا: اخباری حدیث کی تمام اقسام جیسے (صحیح، موثق، حسن اور ضعیف) پر عمل کرتے ہیں، اور ان کے درمیان کسی فرق یا تفاوت کے قائل نہیں ہیں، اسی وجہ سے ان کو اخباری کہا جاتا ہے؛ لیکن مجتہد (اصولی) ان کے برعکس حدیث کی ان چار قسموں میں تفاوت اور فرق کے قائل ہیں اور فقط بعض اقسام پر ہی عمل کو جائز سمجھتے ہیں۔

ثانیا: دوسری چیز جو اخباریوں کے ممیّزات میں سے ہے وہ یہ کہ وہ استنباط احکام کے لیے ادلہ اربعہ میں، ظواہر قرآن کی حجیت، عقل کی حجیت اور اجماع کی حجیت کا ان کار کرتے ہیں، اخباریوں کے نزدیک احکام کی معتبر اور منحصر دلیل صرف ''اخبار'' یعنی احادیث ہی ہیں اور اسی وجہ سے یہ گروہ ''اخباریہ'' کے نام سے معروف ہیں۔(5)

۲۔ معاصر علماء نے اپنی توصیفی اور دائرۃ المعارفی (انسائیکلوپیڈیا) تحقیقات میں، اخباری مسلک اور مکتب کے لیے اجمالی اور عمومی تعریفیں بیان کیں ہیں، لیکن ان تمام تعریفوں میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی ہے اور کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا، لیکن بعض افراد نے اخباریت کے مفہوم کی وضاحت کے لیے ان کی تعریف کے ساتھ ساتھ مکتب اجتہاد کی بھی تعریف کی ہے، مثال کے طور پر یہ کہا گیا ہے کہ: اخباری اس گروہ کو کہا جاتا ہے کہ جو احادیث اور اخبار (ظاہر نص) کی پیروی کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اجتہادی روشوں اور اصول فقہ کو پسند نہیں کرتے، اخباری عموما احادیث اہل بیتؑ کو اعتقادی اور فقہی مسائل میں ماخذ اور منبع سمجھتے ہیں، اور دوسرے مدارک کی حجیت کو صرف اسی صورت میں مانتے ہیں جب احادیث معصومینؑ میں ان کی تائید یا توثیق موجود ہو۔ اخباریوں کے نزدیک شک کے موارد میں احتیاط پر عمل کرنا واجب ہے۔

اخباریوں کے مقابلے میں اصولی اور اجتہادی مکتب فکر ہے کہ جنکے نزدیک احکام شرعی کے استنباط کے منابع میں کتاب (قرآن)، سنت، اجماع اور عقل شامل ہیں، اصولی اور اجتہادی مکتب فکر شک کے موارد میں اصول عملیہ اربعہ پر عمل کرتے ہیں۔ اصولی مجتہدین کے نظریہ کے مطابق صرف اخبار اور احادیث سے تمام احکام تکلیفی کا استنباط ناممکن ہے، ان کے نزدیک صرف احادیث تمام اعصار میں تمام مسائل کے حل کے لیے کافی نہیں ہیں۔ (6)

۳۔ اخباری شیعہ فقہاء کے ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے کہ جو احکام شرعی کے استنباط میں فقط ''کتاب وسنت'' کو معتبر سمجھتے ہیں۔ (7)

خلاصہ کلام یہ کہ اخباری مسلک سے مراد علمای امامیہ کا ایک ایسا گروہ یا فرقہ جو گذشتہ علماء اور اسلاف (محدثین) کی روش پر عمل پیرا ہونے کا دعویدار ہے، اس گروہ کے نزدیک عقاید، احکام، اور اخلاقیات میں مہم ترین منبع اور ماخذ روایات اہل بیتؑ ہیں، اخباری متاخر علماء کی اجتہادی اور رجالی روشوں کو، خصوصا وہ افراد جو عقل کو ہی مہم ترین منبع شمار کرتے ہیں شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور استنباط احکام میں اصول فقہ کو اصولی علماء کی طرح قابل استفادہ نہیں سمجھتے۔

اخباری مکتب کی پیدائش اور وجود میں آنے کے بارے میں نظریات

اخباری مسلک کی شناخت اور معرفت کے سلسلے میں مہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ آیا اخباریت ایک جدید مکتب ہے جو کہ گیارہویں صدی ہجری میں وجود میں آیا؟ یا یہ کہ اس کا سابقہ اس سے زیادہ طولانی اور قدیمی ہے، اور فقط گیارہویں صدی میں اسکو دوبارہ احیاء کیا گیا؟۔ خود اخباریوں کے دعوؤں کے مطابق یہ مسلک ان کی اختراع نہیں ہے، بلکہ اس کا سابقہ اور قدمت آئمہ معصومینؑ کے زمانے کے ساتھ متصل ہے، لیکن اخباریوں کے مقابلے میں اصولی علماء اس نظریے کے مخالف ہیں، اصولیوں کے نزدیک اخباری مسلک ایک جدید اختراع ہے اور اس کو متاخر علماء وجود میں لائے ہیں۔ اگرچہ اصولی علماء اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ جدید اخباریت، اور قدیم محدثین کے درمیان بعض نظریات میں مشترکات موجود ہیں، ایک گروہ اس نظریے کو قبول کرتا ہے کہ قرون اولی میں بھی اخباری مسلک موجود تھا، لیکن وہ قدیم اور جدید اخباریوں کے درمیان فرق کے قائل ہیں، لیکن بصورت کلی اخباری مسلک کے بارے میں تین نظریات موجود ہیں۔

۱۔ اخباریت، ایک قدیم مکتب:

اخباری، قرون اولی کے اہل حدیث میں پائی جانے والی خصوصیات اور ان کی تعداد کی کثرت سے تمسک کرتے ہوئے اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ ان کا مسلک زمانہ قدیم کے علماء میں بھی مقبولیت عام رکھتا تھا اور آئمہؑ کی زندگی سے غیبت کبری کے اوائل تک ایک مقبول اور معتبر مکتب تھا۔ لہٰذا اس مسلک کا سابقہ اور قدمت نہ فقط یہ کہ چوتھی صدی ہجری تک ہے بلکہ اس سے پہلے یعنی آئمہؑ کے دورہ حضور میں بھی موجود تھا۔

ملا محمد امین استر آبادی (متوفی ۱۰۳۶ھ) نے اخباری مکتب کو قدیم علماء اور محدثین کی روش کو احیاء کرنے کا نام دیا ہے جیسا کہ وہ یوں رقمطراز ہیں :۔۔۔۔ (میرے استاد) مرزا محمد استر آبادی۔۔۔۔ نے اشارہ کیا کہ : ''اخباریوں کی روش اور طریقے کا احیاء کرو، اور اس مسلک پر جو اشکالات اور اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا جواب دو۔۔۔'' (لہٰذا اس وجہ سے)۔۔۔ انتہائی دقت اور توجہ سے میں نے احادیث پر تجدید نظر کی، ۔۔۔۔۔ اور اسی راستے پر مجھے ''فوائد المدنیہ'' کی تالیف کی توفیق حاصل ہوئی۔ (8)

ملا محمد امین استر آبادی نے اپنی اہم تالیف میں قدیم علماء اور محدثین کو بھی اپنا ہمنوا اور ہم خیال قرار دیا ہے، وہ رقمطراز ہیں کہ :

> علی بن ابراہیم بن ہاشم قمی (زندہ ۳۰۷ ھ) صاحب تفسیر قمی، محمد بن یعقوب کلینی (متوفی ۳۲۹ ھ) صاحب اصول کافی، علی بن موسی بن بابویہ قمی (متوفی ۳۲۹ ھ) ان کے فرزند برومند محمد بن بابویہ المعروف شیخ صدوقؒ (متوفی ۳۸۱ ھ) صاحب من لایحضر الفقیہ، جعفر بن محمد معروف ابن قولویہ (متوفی ۳۶۹ھ) صاحب کامل الزیارات، بلکہ محمد بن حسن شیخ طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) صاحب تہذیب واستبصار، اور اسی طرح وہ افراد جنہوں نے آئمہؑ کے زمانے میں یا اس سے نزدیک زندگی کی ہے یا ان کے اصحاب، یہ سب کے سب قدیم اخباریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ (9)

شیخ یوسف بحرانیؒ نے بھی اخباری مسلک کی پیدائش اور بنیاد کی نسبت شیخ صدوقؒ کی طرف دی ہے، اور انہوں نے شیخ صدوقؒ کو ''اخباریوں کے رئیس'' سے تعبیر کیا ہے۔ (10) لیکن شیخ حر عاملیؒ (متوفی ۱۱۰۴ھ) صاحب وسائل الشیعہ، ان سب سے چار قدم آگے نظر آتے ہیں جنہوں نے اخباری کی تعبیر کو رسول خداﷺ اور آئمہ معصومینؑ کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ (11)

۲۔ اخباریت، جدید مکتب

محدث ملا امین استر آبادی کے نظریے کے مقابلے میں کہ جسکو اوپر بیان جاچکا ہے ایک اور نظریہ بھی موجود ہے، جسکے قائلین میں اکثر و بیشتر اصولی مجتہد ہیں، ان کے نظریے کے مطابق اخباری مسلک کوئی قدیم مکتب فکر نہیں ہے بلکہ ایک جدید طرز فکر ہے، اصولی علماء، قدیم محدثین اور معاصر اخباریوں کے نظریات میں تفاوت کے قائل ہیں، اصولی مجتہدین کی نظر میں گذشتہ علماء اور محدثین کی روش اور نظریات، ہمارے زمانے کے اخباریوں کی طرح نہیں تھے۔(12) بعض علماء جیسے محقق کاظمی، نہ فقط یہ کہ شیخ طوسی کو اخباری نہیں مانتے، بلکہ دوسرے محدثین جیسے کلینیؒ اور شیخ صدوقؒ کے اخباری ہونے کو بھی شدت سے رد کرتے ہیں۔(13) استاد شہید مرتضی مطہریؒ بھی اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ:
اخباریت کی عمر تین یا چار صدیوں سے زیادہ نہیں ہے، اخباریت کا نعرہ سب سے پہلے محمد امین استر آبادی نے لگایا۔(14)

۳۔ قدیم اور جدید اخباریوں کے درمیان فرق

محمد تقی اصفہانی (متوفی ۱۲۴۸ ھ) معالم الاصول کے حاشیہ پر اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں بھی اخباری موجود تھے؛ لیکن وہ اس بات کی توجیہ اور تاویل میں کہتے ہیں کہ: گذشتہ زمانے کے اخباری علماء، ہمارے زمانے کے اخباری علماء کی طرح نہیں تھے، بلکہ ان کا اصولی علماء جیسے ابن ابی عقیل عمانی، ابن جنید اسکافی، شیخ مفید، سید مرتضی، شیخ طوسی، کے ساتھ اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ اصولی علماء جدید فقہی فروعات کو استخراج اور بیان کرتے تھے، ان کے اندر دقت نظر، قواعد کلی کا استنباط، اصول پر فروع کی تفریعات کی صلاحیت موجود تھی۔ لیکن اس زمانے میں علماء کا ایک دوسرا گروہ تھا جو کہ روایات اور احادیث کے راوی اور کتب روایی کے مؤلفین تھے، یہ علماء روایات کے ظاہری مضمون اور نصوص سے زیادہ آگے نہیں جاتے تھے، بلکہ اکثر موارد میں روایات کے مضمون اور اخبار کے متون کے مطابق فتوی دیتے تھے، یہ لوگ غیر منصوص فروعات کو ذکر نہیں کرتے تھے، ان میں سے بہت سارے افراد صاحب نظر نہیں تھے، علمی مسائل میں ان کی دقت اور گہرائی اتنی زیادہ نہیں تھی یہ لوگ ''اخباریوں'' کے نام سے معروف تھے۔(15)

بعض محققین کے نزدیک ملا محمد امین استر آبادی اور اس کے پیروکاروں سے پہلے، اخباری اور اصولی ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کام کرتے تھے۔(16) لہٰذا اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ اخباری جو اصولی مجتہدین کی بے جا مخالفت اور توہین کرتے تھے؛ان کو کیسے اسلاف کا پیروکار کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ قدیم اور جدید اخباریوں میں تنہا جو چیز مشترک ہے وہ یہ کہ دونوں گروہ روایات پر عمل کرتے تھے؛ لیکن وہ اخباریت، جو ایک مکتب کی صورت میں اجتہاد اور فقاہت کے سامنے ظاہر ہوئی وہ ایک تو حجیت ظواہر کتاب اور سنت کی نفی کرتے ہیں، اس کے علاوہ اجماع اور عقل کی حجیت کے بھی منکر ہیں، اس کے علاوہ تقلید اور اجتہاد کو بھی حرام سمجھتے ہیں، اس طرح کی اخباریت کا ملا محمد امین استر آبادی سے پہلے کہیں نام و نشان نہیں ملتا، لہٰذا یہ ایک ایسا مکتب فکر تھا کہ جسکی بنیاد خود محمد امین استر آبادی نے رکھی لیکن پھر اس (کو مشروعیت اور معتبر بنانے) کے لیے گذشتہ علماء کے کھاتے میں ڈال دیا۔(17)

شہید محمد باقر صدرؒ بھی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں علماء کا ایک گروہ ایسا تھا جو کہ ''متن روایت'' کو کافی سمجھتے تھے اور اسی پر اکتفا کرتے تھے، علامہ حلیؒ نے ان کو ''اخباری'' سے تعبیر کیا ہے، اس کے بعد شہید صدر فرماتے ہیں کہ؛اس اخباری مسلک میں جسکی بنیاد مرحوم محمد امین استر آبادی نے ایک فقہی روش کے طور رکھی، اور وہ اخباریت جو کہ فقہ کے تدریجی اور ارتقائی مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے، دونوں میں فرق ہے۔ شیخ طوسی کی کتاب ''المبسوط'' کی تالیف سے پہلے فقہاء متن روایات کو ایک فقہی حکم یا مسئلہ کے طور پر بیان کرنے پر اکتفا کرتے تھے، لہٰذا وہ متن روایات سے خارج نہیں ہوتے تھے، متن کے علاوہ فروعات کو بیان نہیں کرتے تھے، لیکن شیخ طوسیؒ نے اس روش پر المبسوط میں اعتراضات کئے، اور اس سے آگے بڑھے اور روایات کے متن سے ہٹ کر فروعات فقہی کو بیان کیا اور ان فروعات کو قواعد کلی پر تطبیق کیا۔(18)

اخباریوں کی اہم شخصیات

اخباری مسلک ''گیارہویں صدی ہجری'' کی پیدائش سے لیکر آقای وحید بہبہانی کی مرجعیت تک یعنی دوبارہ اصولی مکتب کی نجف اور کربلا میں رونق اور آبادی تک دو صدیاں بیت گئیں، ان دو صدیوں میں اخباری مسلک کی بہت نامور شخصیات ظاہر ہوئیں، جن میں سے بعض نے اخباری مسلک کے مرام اور

راستے اور اسکی نظریاتی سرحدوں کا بھرپور دفاع کیا،ان کی کاشوں اور کوششوں سے اخباری مکتب خوب پھلا پھولا۔ دوسرا اخباری مسلک میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنکوں ''معتدل اخباری'' کے نام سے جانا جاتا ہے، معتدل علماء نے اخباریوں کی تعلیمات کو فقط احادیث کی طرف رجحان اور جھکاؤ کی حد تک ہی قبول کیا،اور اپنے میانہ رواور معتدل رویے سے اخباری مکتب کی طرف سے اصولی مکتب پر ہونے والے تند و تیز حملات کو روکااور ان میں کسی حد تک کمی لانے میں کامیاب ہوئے۔

افراطی اور جذباتی اخباریوں نے اصولیوں پر طعن و تشنیع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا،اسی طرح انہوں نے اصولی مکتب فکر کی بنیادوں کو کھوکھلا ثابت کرنے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔اخباری مکتب کے بانی اور مؤسس ملا محمد امین استرآبادی افراطی گریاور شدت پسندی کے سلسلے میں پیش پیش تھے،اس کے علاوہ ملا خلیل قزوینی، عبداللہ بن صالح سماہیجی اور مرزا محمد اخباری بھی اسی راستے پر گامزن رہے۔

یہاں اس نکتے کی جانب توجہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ اگر تمام اخباری علماء اس افراطی اور جذباتی روش پر گامزن رہتے تو اس بات کا امکان تھا کہ یہ مکتب بہت جلد اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائے یا وہ برکات اور آثار جن سے آج عالم تشیع بہرہ مند اور مستفید ہورہا ہے شاید اسطرح شیعی معاشرہ ان برکات سے محروم رہ جاتا۔ اخباری مکتب کے علماء کی جذباتیت اگر جاری رہتی تو بعید نہیں تھا کہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ میں ایک نیا مذہب اور فرقہ وجود میں آجاتا کہ جسکا لازمی نتیجہ پیروان اہل بیتؑ کی مزید کمزوری اور ضعف کی صورت میں برآمد ہوتا۔

لیکن خوش قسمتی سے اخباری مسلک کے بہت سارے علماء اس افراطی اور جذباتی قافلے سے جدا ہوگئے،انہوں نے اعتدال اور میانہ روی کے راستے کو اپنایا، معتدل علماء کا گروہ اگرچہ نظریاتی اور فکری طور پر ان کا ہمنوا تھا، لیکن انہوں نے کبھی بھی اپنے مخالفین پر لعن طعن اور بدگوئی کو اپنا شیوہ نہیں بنایا،انہوں نے ہمیشہ مخالفین کے علمی اعتراضات کو قبول کیا،اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان بزرگان کے تحمل اور برداشت کے رویے کی وجہ سے اخباری مسلک کو دوام اور استحکام حاصل ہوا، اور انہی کی کاوشوں سے اخباری مسلک ایک جدید فرقے کے طور پر ظاہر ہونے سے بچ گیا۔ معتدل علماء کے گروہ میں سرفہرست جن افراد کے نام آتے ہیں ان میں : محمد تقی مجلسی (مجلسی اول)،علامہ محمد باقر مجلسی (مجلسی دوم)، ملا محسن فیض کاشانی، شیخ حر عاملی،آقا رضی الدین قزوینی، شیخ عبدالعلی حویزی، سید ہاشم بحرانی، سید

مرزا جزائری، سید نعمۃ اللہ جزائری اور شیخ یوسف بحرانی، شامل ہیں۔ یہاں ہم، اخباری مکتب کی بعض نامور شخصیات کی حیات زندگی پر مختصر روشنی ڈالیں گے، اور ساتھ ہی اجمالا ان کے اخباری نظریات کو بھی بیان کریں گے تاکہ ان کی شدت پسندی اور اعتدال پسندی واضح ہوسکے۔

۱۔ مرزا محمد استرآبادی

مرزا محمد بن ابراہیم استرآبادی المعروف بہ صاحب رجال، فقیہ، محدث اور علم رجال کے معروف عالم تھے، ان کے معاصر عالم تفریشی (۱۰۱۵ ھ) کے بقول مرزا محمد استرآبادی علم رجال، روایات اور علم تفسیر میں ید طولی رکھتے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے نجف میں مقدس اردبیلیؒ اور ظہیر الدین عیسی (متوفی ۱۰۳۲ ھ) جیسے نامور علماء کی شاگردی اختیار کی، لیکن مقدس اردبیلی کی وفات کے بعد انہوں نے مکہ معظّمہ میں سکونت اختیار کی، اور وہاں ہی قبرستان معلیٰ میں جناب خدیجہ کبریٰؑ کی قبر کے نزدیک دفن ہوئے۔ علامہ مجلسیؒ نے ان کا شمار ان افراد میں کیا ہے جنکو امام زمانہؑ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کے معروف شاگردوں میں، ان کے داماد محمد امین استرآبادی، کے علاوہ محمد بن حسن فرزند شہید ثانی (متوفی ۱۰۳۰ ھ) جنہوں نے اپنے والد اور صاحب مدارک (متوفی ۱۰۰۹ ھ) کی شاگردی کے بعد ہمیشہ کے لیے مکہ کو اپنا مسکن بنالیا، محمد بن حسن، مرزا محمد کے حلقہ درس سے فیضیاب ہونے کے بعد اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ ان کے راستے کے راہی ہیں۔ (19)

علامہ مجلسیؒ نے ان کی کتابوں کو انتہائی سنجیدہ، سچی اور درست کتابوں میں شمار کیا ہے، ان کی بعض کتابوں میں سے: آیات الاحکام، (شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب الاحکام پر حاشیہ)؛ علم رجال پر تین کتابیں جنکے نام توضیح المقال، تلخیص الاقوال، اور نہج المقال،، یہ تینوں کتابیں صغیر، وسیط اور کبیر کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کتاب رجال کبیر تین جلدوں میں چھپ چکی ہے، اور ہمیشہ علماء کی توجہات کا مرکز رہی ہے اور اس پر بہت سارے علماء نے تبصرے اور حواشی لگائے ہیں۔

۲۔ محمد امین استرآبادی (متوفی ۱۰۳۶ ھ)

ملا محمد امین استرآبادی نے علم اصول کو سید محمد عاملی صاحب مدارک، اور صاحب معالم جیسے بزرگ عالموں سے پڑھا، اور اپنے زمانے کے معروف اصولیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا؛ جیسا کہ صاحب مدارک

نے ان کو ایک اجازہ میں جو سن ۱۰۰۷ھ میں ان کو دیا اسمیں ان کو ''صاحب علم و فضل اور صاحب کمالات اخلاقی'' سے یاد کیا ہے۔(20) لیکن استرآبادی خود اس سلسلے میں بیان فرماتے ہیں کہ: میں جوانی کے آغاز میں، نجف اشرف میں سید سند، اور علامہ اوحد صاحب مدارک کے دروس میں شریک ہوتا تھا، اور علم رجال اور حدیث میں ان سے کسب فیض کیا ہے۔۔۔۔۔ اور میں ان سے اجازہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا، (الفوائد المدنیہ، ص۱۷) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازہ سے مراد اجازہ اجتہاد نہیں بلکہ اجازہ نقل روایت ہے، اور اس دعوی پر دلیل خود استرآبادی کا وہ کلام ہے کہ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ؛ میرے طرق روایی میں ایک سلسلہ روایت میرے استاد صاحب مدارک ہیں۔(21)

لیکن مکہ کی طرف سفر کرنے کے بعد اور تقریبا دس سال تک مرزا محمد استرآبادی کی شاگردی اختیار کرنے سے، نظریاتی طور پر وہ اپنے استاد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے مجتہدین (اصولیوں) کی مخالفت شروع کردی، اور اس سلسلے میں بہت ساری کتب تحریر کیں۔(22)

ملا محمد امین استرآبادی کی قبر، مکہ مکرمہ میں قبرستان ابوطالبؑ میں اپنے استاد مرزا محمد استرآبادی کے جوار میں واقع ہے۔ محمد امین استرآبادی نے مختلف علوم و فنون میں میں متعدد کتب تالیف کی ہیں جن میں سے مہم ترین درج ذیل ہیں: الفوائد المدنیہ فی الرد علی من قال بالاجتہاد والتقلید فی نفس الاحکام الالھیۃ، یہ کتاب چونکہ مدینہ میں لکھی گئی لہذا اس کا نام اسطرح رکھا گیا، یہ کتاب اخباری مسلک کے دفاع میں لکھی گئی مہم ترین کتب میں سے ہے، اس مقالے میں بھی مختلف مناسبتوں سے ہم نے بعض مطالب کا ذکر کیا ہے۔اس کتاب میں ان کے عقیدے کے مطابق، کتب اربعہ کی روایات اجمالا متواتر ہیں، اگر ظواہر قرآن کے بارے میں آئمہ معصومینؑ سے کوئی چیز ہم تک نہ پہنچی ہو تو ہمیں توقف کرنا چاہیے، اجماع اہل سنت کی اختراعات میں سے ہے، اجتہاد دین میں بدعت کے مترادف ہے؛ اصول اور فروع میں دین کا تنہا منبع اور ماخذ اخبار اور روایات اہل بیتؑ ہیں۔(23)

مذکورہ بالا کتاب نے اس زمانے میں غوغا برپا کردیا اور اپنے اختلافی نظریات کی وجہ سے بہت معروف ہوئی، بہت سارے علماء نے اس کتاب پر رد لکھے جن میں سے ایک کتاب نور الدین علی بن حسین (متوفی ۱۰۶۳ یا ۱۰۶۸ ھ) صاحب مدارک کے بھائی، نے لکھی جس کا نام ''الشواھد المکیہ فی مداحض

حجج الخیالات المدنیۃ (معروف بہ فوائد مکیہ)؛ علامہ دلدار علی (۱۲۳۵ ھ) برصغیر کے معروف عالم دین نے ایک کتاب بنام ''اساس الاصول'' (بتاریخ ۱۲۱۴ ھ) اس کتاب کے رد میں لکھی۔ (24)

۲۔ الفوائد المکیہ، شرح استبصار؛

۳۔ اصول کافی پر حاشیہ؛ جسکی تدوین ملا خلیل قزوینی نے کی (متوفی ۱۰۸۹ھ)

۴۔ دانش نامہ شاہی؛ یہ کتاب ایک طرح سے کشکول ہے، یہ کتاب سلطان محمد قطب شاہی کو تقدیم کی گئی، اس کتاب میں اجتہاد پر شدید تنقید کی گئی اور اسکو جدید اختراع قرار دیا گیا۔

۳۔ محمد تقی مجلسی (۱۰۰۳۔۱۰۷۰ ھ)

ملا محمد تقی مجلسی ابن مقصود علی اصفہانی، المعروف ''مجلسی اول'' آپ کی ولادت ایران کے معروف شہر اصفہان میں ہوئی، اور وہاں ہی آپ کی وفات واقع ہوئی، آپ نے ابتدائی دینی تعلیم اصفہان میں ملا عبد اللہ شوشتری (متوفی ۱۰۲۱ ھ) اور شیخ بہائی (متوفی ۱۰۳۰ ھ) سے حاصل کی، اور اس کے بعد مزید تعلیم کے لیے نجف اشرف تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ کا شمار اس زمانے کے بڑے علماء اور محدثین میں ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ تہذیب نفس اور ریاضت کیا کرتے تھے، اور تقریبا چالیس دفعہ پیدل خانہ خدا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ (25)

ان کی بعض ریاضتیں اس بات کا باعث بنیں کہ ان پر بعض لوگوں نے تصوف اور صوفیت کی تہمت بھی لگائی، لیکن ان کے علمی آثار اور دیگر معاصر علماء کی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صوفی نہیں تھے، بلکہ ان کے اپنے فرزند ارجمند مجلسی دوم کے بقول انہوں نے صوفیوں کے عقائد کی تصحیح اور درستی کے لیے اپنے آپ کو صوفیوں کے قریب اور نزدیک کیا ہوا تھا۔

مجلسی اول، ان سرفہرست افراد میں سے ہیں جنہوں نے اخباریت کی طرف رجحان پیدا کیا، اور حدیث کی ترویج میں سعی و کوشش کی۔ لیکن ان کا شمار معتدل اخباریوں میں ہوتا ہے، ان کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ اگرچہ انہوں نے محمد امین استرآبادی کے نظریات اور عقائد کی صریحا تائید کی، لیکن دوسری طرف ان کے بعض نظریات پر تنقید بھی کی۔ مثال کے طور پر وہ محمد امین استرآبادی کے نظریہ کے خلاف ''خبر واحد صحیح جو بغیر قرینے کے نقل ہوئی ہو'' اس کو حجت مانتے تھے، مگر وہ کہ جو ظاہر قرآن یا

سنت متواترہ کے مخالف ہو اسکو حجت نہیں مانتے تھے۔ مجلسی اول، شیخ صدوقؒ کی شہرہ آفاق کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ پر اپنی فارسی کی شرح میں اخباریت کی پیدائش کے علل و عوامل کو ذکر کرنے کے بعد محمد امین استرآبادی کی اخباریت سے متعلق کاوشوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"بہت ساری ایسی باتیں جو یہاں پر قابل ذکر نہیں ہیں،[وہ یہ ہیں کہ] شیعوں کے درمیان اختلافات شروع ہوگئے،اور ہر کوئی قرآن اور حدیث سے اپنے فہم اور ادارک کے مطابق عمل کرنے لگا، مقلدین نے ان کی (مجتہدین) کی اتباع اور تقلید شروع کردی۔ یہاں تک کہ تقریبا تیس سال پہلے عالم ،فاضل اور تبحر مولانا محمد امین استرآبادیؒ نے اس روش کے خلاف مقابلہ اور جہاد شروع کیا،انہوں نے روایات معصومینؑ کا مطالعہ کیااور لوگوں کے آراء اور قیاسات کی مذمت کی اور آئمہ معصومینؑ کے اصحاب کی روش اور طریقہ کار کو درست تسلیم کیا۔''فوائد مدنیہ'' کو تحریر کیااور اسکو ان شہروں میں ارسال کیا، نجف اور دوسرے شہروں میں بسنے والے شیعوں نے ان کے اس اقدام اور عمل کو مستحسن سمجھا،اور لوگوں نے اخبار کی طرف رجوع شروع کر دیا،اور ''الحق'' اکثر وہ باتیں جو مولانا محمد امین استرآبادی نے بیان کیں ہیں وہ صحیح اور برحق ہیں۔

اس کے بعد وہ اپنے اعتدالی نظریے ''جو نہ افراطی ہے اور نہ تفریطی بلکہ حد وسط'' کو بیان کرتے ہیں اور ایک اجمالی وضاحت میں تقلید کو قبول کرتے ہیں؛لیکن ایک شرط بھی لگاتے ہیں کہ جس عالم کی تقلید کی جائے ضروری ہے کہ ''وہ عالم روایات اہل بیتؑ کا متخصص اور ماہر ہو اور ان کے رموز واسرار سے واقف ہو، نیز اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہو کہ مختلف روایات کو جمع کرسکے، اس کے علاوہ عادل اور تارک دنیا بھی ہو''علامہ مجلسی اول کی نظر میں ایسے عالم کی بات کی پیروی اور اس پر عمل حقیقیت میں قول خدا، قول رسول ﷺ اور قول معصومینؑ کی ہی پیروی ہے۔"(26)

محمد تقی مجلسی کے شاگردوں میں ان کے فرزند علامہ محمد باقر مجلسیؒ،آقا جمال خوانساری،آقا حسین خوانساری، محمد صادق کرباسی، سید عبدالحسین خاتون آبادی، سید نعمۃ اللہ جزائری جیسی اہم شخصیات شامل ہیں۔(27) علامہ مجلسی اول نے متعدد کتب تحریر کیں ہیں جن میں سے کچھ اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ روضۃ المتقین : من لایحضر الفقیہ پر عربی شرح، اور اس کتاب پر لکھی جانے شروحات میں سے یہ شرح سب سے اہم ہے اور اب یہ تقریبا چودہ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔(28)

۲۔ لوامع قدسیہ یا لوامع صاحبقرانی: من لایحضر الفقیہ پر لکھی جانے والی فارسی شرح، یہ شرح شاہ عباس صفوی ثانی کی خواہش پر لکھی گئی اور کیونکہ شاہ عباس کا لقب ''صاحبقران'' تھا لہٰذا اس شرح کا نام لوامع صاحبقرانی رکھا گیا۔(29)

۳۔ حدیقۃ المتقین : یہ فارسی زبان میں ان کا ایک رسالہ ہے جسے اپنے مقلدین کے لیے تحریر کیا تھا۔

۴۔ شرح زیارت جامعہ کبیرہ: یہ شرح فارسی زبان میں لکھی گئی، اس شرح کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجلسی اول کو امام زمانہؑ کی بارگاہ میں عالم خواب یا حالت بیداری میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔(30)

۴۔ ملا خلیل قزوینی (۱۰۰۱۔۱۰۸۹ھ)

ملا خلیل قزوینی فرزند غازی قزوینی، کنیت ابو حامد، گیارہویں صدی ہجری کے بڑے محدثین اور اخباریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ قزوین میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، قزوینی صفوی بادشاہوں، امراء اور ان کے وزیروں کے نزدیک بہت اہم مقام رکھتے تھے۔ اسی احترام کی بدولت ان کو تقریبا ۲۶ سال کی عمر میں شاہ عبدالعظیم حسنی کے مزار کا متولی بنا دیا گیا، اگرچہ کچھ عرصے بعد کچھ وجوہات کی بنا پر اس منصب سے عزل کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ مکہ میں گزارا اور پھر قزوین لوٹ آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔(31)

ملا خلیل قزوینی کے اندر افراطی اور شدت پسند اخباریوں کی تمام صفات موجود تھیں، قزوینی شدت سے اجتہاد کے منکر تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اصول کافی کی تمام احادیث صحیح ہیں اور ان پر عمل کرنا واجب ہے؛ قزوینی کی نظر میں کافی میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں جو تقیہ کی حالت میں صادر ہوئی ہو، اور اس کے علاوہ امام زمانہؑ نے اصول کافی کی تمام روایات کو چیک کیا ہے اور امام نے "انہ کاف لشیعتنا" کی تعبیر سے اس کی تعریف اور تائید کی ہے۔ اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اصول کافی میں نقل

شدہ تمام روایات جو ''روی'' کے ذریعے بغیر واسطے کے نقل ہوئی ہیں وہ سب کی سب خود امام زمانؑ سے نقل ہوئی ہیں۔(32)

ملا خلیل قزوینی نے عمر کے آخری حصے میں بھی، یہاں تک کہ جب ان کی آنکھیں دیکھنے سے محروم ہو گئیں تب بھی تدریس، تحقیق اور تالیف کا کام جاری رکھا، لہٰذا انہوں نے اپنے بعد کافی سارے شاگرد اور آثار کو چھوڑا،ان کی معروف ترین تالیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ الشافی فی شرح الکافی: اصول کافی پر عربی زبان میں شرح ہے، لیکن فارسی شرح میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ شرح پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔

۲۔ صافی در شرح کافی: اصولی کافی پر فارسی زبان میں شرح ہے، یہ شرح انہوں نے قزوین میں شاہ عباس ثانی صفوی کے حکم پر لکھی اور تقریبا بیس سال میں اس کو مکمل کیا۔

۳۔ شیخ طوسی کی کتاب ''عدۃ الاصول'' پر ناتمام حاشیہ: ملا خلیل کے بقول اس کتاب کو انہوں نے لوگوں کو علم اصول سے متعارف کروانے کے لیے لکھا، کیوں کہ جب انہوں نے محسوس کیا کہ لوگ ان چیزوں سے منہ موڑ رہے ہیں تو اسکو تحریر کیا،اور اس کے علاوہ لوگ اہل سنت کی اصول فقہ کی طرف مائل ہو رہے تھے،اس طرح کی تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا خلیل بعض جہات سے علم اصول کو بھی قبول کرتے تھے۔(33)

۵۔ شیخ عبد علی حویزی (متوفی ۱۰۹۷ ھ سے پہلے)

شیخ عبد علی بن جمعہ عروسی حویزی، حویزہ میں پیدا ہوئے اور شیراز میں سکونت اختیار کی، شیخ حر عاملی ''امل الآمل کی تالیف سال ۱۰۹۷ ھ ق) میں ان کے حالات زندگی کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ ''کان عالما فاضلا فقیہا۔۔'' فعل ماضی کے استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں جب یہ کتاب تحریر کی جارہی تھی وہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔ اس بناپر سید ہاشم محلاتی نے تفسیر نور الثقلین کے حاشیہ میں جو ان کی تاریخ وفات کو سال ۱۱۱۲ ھ میں بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔(34)

حویزی ایک محدث، مفسر، اور شاعر ہونے کے علاوہ، گیارہویں صدی کے اخباری مسلک کے بہت بڑے اور شدت پسند علماء میں شمار ہوتے ہیں۔(35)

بعض علماء کے بقول ہر وہ مسئلہ جسکو اصحاب نے اپنی فقہی کتب میں '' قیل'' مجہول کے صیغہ سے درج کیا ہے حویزی اس پر عمل کرتے تھے اور اس بارے میں ان کا کہنا تھا کہ ؛ قیل سے اصحاب کی مراد امام زمانہؑ ہیں، امام زمانہؑ نے اس قول کو شیعوں میں پھیلایا اور پھر خود ہی اس پر ابہام اور مجہولیت کا پردہ ڈال دیا تاکہ شیعہ کسی خطا اور غلطی پر اجماع نہ کریں۔(36)

حویزی کے معروف ترین شاگردوں میں سید نعمت اللہ جزائری (متوفی ۱۱۱۲ھ) ہیں، سید شیراز میں ہی تھے، حویزی کی معروف ترین تالیفات میں ان کی روائی تفسیر ''نور الثقلین'' ہے، جو کہ گذشتہ چند سالوں میں پانچ جلدوں میں چھپ کر منصہ شہود پر آچکی ہے۔ حویزی نے اس تفسیر میں قرآن مجید کو فقط روایات اہل بیتؑ کی روشنی میں تفسیر کیا ہے، اور دوسرے لوگوں سے ایک روایت بھی نقل نہیں کی، انہوں نے اس تفسیر میں الفاظ، اعراب اور آیات کی قرائت کے حوالے سے بھی کچھ بیان نہیں کیا۔(37)

علامہ طباطبائی نے اس تفسیر کو باارزش تفاسیر میں شمار کیا ہے، اور علامہ کے بقول اس تفسیر کے مؤلف نے تفسیری روایات کی جمع آوری میں دقت، ترتیب اور سنجیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔(38)

۶۔ملا محسن فیض کاشانی (۱۰۰۷۔۱۰۹۱ھ)

محمد بن شاہ بن مرتضی فرزند شاہ محمود، المعروف ملا محسن فیض کاشانی، بہت بڑے مفسر اور محدث اور زبردست قسم کے شاعر تھے۔ آپ کاشان میں پیدا ہوئے اور قم المقدسہ میں پروان چڑھے۔ اور بالآخر کاشان میں ہی آپ کی رحلت ہوئی، کاشان میں آپ کا مزار مرجع خلائق خاص و عام ہے۔ فیض کاشانی کو جوانی سے ہی علم دین حاصل کرنے کا شوق تھا، لہٰذا آپ شیراز کی طرف عازم سفر ہوئے اور وہاں جا کر علوم شرعی اور علم حدیث کو سید ماجد بحرانی (متوفی ۱۰۲۸ھ) سے کسب کیا، اور علوم عقلی کو ملا صدرای شیرازی سے حاصل کیا، اور ان کی دامادی کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا، شیخ بہائی بھی ان کے معروف ترین اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔(39)

علامہ طباطبائی صاحب تفسیر المیزان، فیض کاشانی کو جامع علوم اور کم نظیر شخصیت سمجھتے ہیں، جنہوں نے تمام علوم میں مستقل بنیادوں پر قدم رکھا، لہٰذا علمی تبحر کی وجہ سے ان کو ایک دوسرے سے خلط نہ ہونے دیا۔(40) بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ علم کلام میں فیض کاشانی کی آراء اور نظریات ان

کے استاد ملا صدرای شیرازی کے نظریات کے موافق ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے اخباری ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور اس سلسلے میں خدا کے شکر گزار ہیں۔ لہٰذا وہ ملا محمد امین استرآبادی کو برحق سمجھتے ہیں، لیکن ان کی شدت پر تنقید بھی کرتے ہیں، کاشانی اپنی کتاب ''الحق المبین'' میں کہتے ہیں کہ؛

وہ راستہ اور طریقہ جس پر میں نے ہدایت حاصل کی ہے۔۔۔۔ وہ یہ ہے کہ؛اخبار اور روایات پر عمل کیا جائے،اجتہادی طریقے سے دوری اختیار کی جائے،اصول فقہ جو کہ اختراع شدہ ہے اس کو چھوڑنا واجب ہے۔ مجھے اپنی جان کی قسم وہ[محمد امین استرآبادی] اس راستے اور مسلک میں حق پر ہیں، وہ فاتح اور ہمارے رہنما ہیں۔ لیکن انہوں نے بعض روایات میں غلو اور افراط سے کام لیا اور کہا کہ ؛ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ کتب اربعہ کی تمام روایات اہل بیتؑ سے صادر ہوئی ہیں، اس کے علاوہ استرآبادی نے فقہاء کے لیے غلط زبان استعمال کی ہے،اور دین میں فساد اور افساد کی نسبت فقہاء کی طرف دی ہے، نیز اس بات کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر مجتہدین اپنے اجتہاد میں خطا کے مرتکب ہونگے تو ان کو سزا دی جائے گی۔(41)

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے مرزا محمد امین استرآبادی پر فقہاء کو برا بھلا کہنے پر تنقید کی ہے، لیکن بعد میں خود اس کا ارتکاب کیا ہے، جیسا کہ ان سے نقل ہوا ہے کہ ''اہل اجتہاد کے لیے نجات نہیں ہے، اگرچہ وہ ہمارے گروہ کے بزرگ علماء میں ہی کیوں نہ شمار ہوتے ہوں۔(42)

شاید اسی وجہ سے شیخ یوسف بحرانی نے ان کا شمار شدت پسند اور افراطی اخباریوں میں کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب سفینۃ النجاۃ، میں مجتہدین کے خلاف غیر شایستہ زبان استعمال کی ہے،اور یہاں تک کہ بعض کی طرف کفر و فسق کی نسبت بھی دی ہے،اور اس کام میں افراط سے کام لیا ہے۔(43)

لیکن بہر حال مقام عمل اور علمی مباحث میں اس طرح کی شدت پسندی ان کے نظریات اور افکار میں نظر نہیں آتی،شاید یہ کہنا مناسب ہوگا کہ یہ شدت پسندیان کے قلم میں زیادہ تھی۔ فیض کاشانی نے سب سے زیادہ حساسیت کا مظاہرہ فقہ کی نسبت کیا ہے، وگرنہ دوسری مباحث جیسے تفسیر آیات قرآن میں انہوں نے عقلی استنتاج سے بھی کام لیا ہے،اور ایسا نہیں ہے کہ وہ دوسرے اخباریوں کی طرح قرآن کو قابل استفادہ نہ سمجھتے ہوں، بلکہ وہ قرآن کے ظواہر سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ بعض علماء معاصر نے ان کو علمی روش میں معتدل اخباریوں میں شمار کیا ہے۔(44)

فیض کاشانی کے بارے میں بیان کردہ مباحث میں ان کو صوفیانہ رجحانات سے بھی متہم کیا گیا ہے کے ان کے اندر صوفیاء کی طرف جھکاؤ پایا جاتا ہے، لیکن شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ''فوائد الرضویہ ص ۶۳۷'' میں اس بات کی تردید کی ہے۔

بہت سارے افراد نے ملا محسن فیض کاشانی سے کسب فیض حاصل کیا، جن میں سے مہم ترین علامہ محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ ھ) اور سید نعمت اللہ جزائری (متوفی ۱۱۱۲ ھ) ہیں۔ اس کے علاوہ ملا محسن نے مختلف علوم میں بہت ساری کتب تالیف کی ہیں، جیسا کہ انہوں نے خود ایک کتاب بنام، فہرست تصانیف الفیض، میں تقریبا سو کے قریب کتب، اور ان کے شاگرد سید نعمت اللہ جزائری نے دو سو کے قریب کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مہم ترین آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ **الوافی**: اسمیں کتب اربعہ کی روایات شامل ہیں، انہوں نے اس کتاب میں ان کو مرتب اور ان کا خلاصہ کیا ہے، ان کی مشکلات کو بیان، اور متشابہات کو حل کیا ہے، اور احادیث میں درج روایات کی تفسیر بیان کی ہے۔ ملا محسن فیض کاشانی کی شاید یہ مہم ترین کتاب تقریبا ۲۶ جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

۲۔ **مفاتیح الشرائع**: یہ چار جلدوں پر مشتمل کتاب ہے، اس کے مقدمہ میں انہوں نے اجماع کی حجیت کا ان کار کیا ہے، علم اصول کو بدعت کہا ہے، اس کتاب میں اپنے علمی نظریات کی بنیادوں کو، محکمات قرآن، رسول خداﷺ اور اہل بیتؑ کے کلام پر مشتمل بیان کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظواہر قرآن کو حجت سمجھتے ہیں۔

۳۔ **الاصول الاصلیہ**: یہ کتاب قرآن اور سنت کی روشنی میں اخباری مسلک کی حمایت اور تائید میں لکھی گئی ہے۔

۴۔ **سفینہ النجاۃ الی طریق و سبیل الہداۃ**: اس کتاب میں احکام شرعیہ میں اجتہاد کو باطل ثابت کیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ اجماع اور اتفاق آراء کو بدعت اور اہل سنت کی ایجادات اور اختراعات میں شمار کیا گیا ہے۔

۵۔ **علم الیقین**: یہ کتاب اصول دین اور عقائد کے موضوع پر، کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔

۶۔ محجۃ البیضاء فی احیاء ''الاحیاء'' :اس کتاب میں امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کی تہذیب اور اس کے زوائد کو حذف کیا گیا،اور بعض مطالب کا شیعہ منابع سے اضافہ کیا گیا۔

۷۔ تفسیر صافی : یہ قرآن کی تفسیر ہے جسمیں آیات کی روایات کی روشنی میں تفسیر کی گئی ہے۔

اس کے علاہ بھی ان کے بہت سارے آثار اور تالیفات ہیں جنکے ذکر سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔

۷۔ شیخ حر عاملی (۱۰۳۳۔۱۱۰۴ھ)

محمد بن حسن بن علی بن محمد بن حسین بن حر عاملی،گیارھویں صدی ھری کے بزرگ اخباری عالم ہیں۔آپ ایک ثقہ محدث اور اسلامی علوم میں تبحر رکھنے والی شخصیت تھے، جنکی علمی جامعیت اور عظمت پر ان کے آثار گواہ ہیں۔آپ سال ۱۰۳۳ ھ ، میں لبنان کے علاقے جبل عامل کے مشغرہ نامی دیہات میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۰۴ ھ میں مشہد مقدس میں اس دنیا سے کوچ کرگئے۔ ان کا مزار حرم امام رضاؑ میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کا تعلق شہید کربلا جناب حر بن یزید ریاحی کے خاندان سے ہے۔ شیخ حر تقریبا چالیس سال تک اپنے وطن میں زندگی بسر کرتے رہے،اور سال ۱۰۷۳ ھ میں عراق کی جناب سفر کیا،اور آئمہؑ عراق کی زیارت کے بعد امام رضاؑ کی زیارت کے لیے خراسان (موجودہ مشہد) کا سفر کیا،اور خراسان پہنچ کر یہیں پر سکونت اختیار کرلی۔(45)

اس بات میں کوئی دو رائ نہیں پائی جاتی کہ شیخ حر کا شمار اخباری مسلک کے بزرگ علماء میں ہوتا ہے،اور وہ اس بارے میں بڑے واضح نظریات رکھتے تھے؛جیسا کے ایک نقل کے مطابق،انہوں نے ایک ایسے طالبعلم کی شہادت کو رد کردیا جو کہ شیخ بہائی کی کتاب ''زبدۃ'' پڑھتا تھا،زبدہ علم اصول کی کتاب تھی اور علم اصول پڑھنے کی وجہ سے اسکی شہادت کو رد کردیا۔(46)

اسی طرح شیخ اس زمانے کے طالبعلموں کے لیے انتخاب شدہ راستے کی وجہ سے شکوہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ :

> شک اور وسوسہ بہت سارے لوگوں پر غالب آچکا ہے، انہوں نے اہل بیتؑ سے ہٹ کر دوسرے علوم میں سعی و کوشش شروع کردی ہے، جبکہ علوم اہل بیت ہر قسم کی لغزش اور عیب سے پاک اور منزہ ہیں۔(47)

شیخ حر نے بہت سارے علماء اور اساتذہ سے کسب فیض اور اجازہ روایت حاصل کیا،اور اسی طرح بہت سارے شاگردوں کی تربیت بھی کی،اور ان کو اجازہ روایت بھی دیا۔البتہ ان کی ایک خاص خصوصیت جس نے ان کو اپنے زمانے کے دوسرے علماء سے ممتاز کر دیا ہے،وہ احیاء علوم اہل بیتؑ ہے انہوں نے اس راستے میں بہت زیادہ زحمات کیں جسکے نتیجے میں بہت ہی عظیم اور پر منفعت کتابیں معرض وجود میں آئیں،امل الآمل کے مصحح نے شیخ حر کے آثار کی تعداد ۵۵ تک نقل کی ہے۔یہاں ہم اختصار کے ساتھ ان کی بعض اہم کتابوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ تفصیل وسائل الشیعۃ الی تحصیل مسائل الشریعۃ:المعروف بہ وسائل، شیخ حر نے یہ عظیم کتاب بیس سال کے عرصے میں تالیف کی،وسائل ایک انتہائی اہم کتاب ہے جو کہ ۳۵۸۶۸ فقہی احادیث پر مشتمل ہے،یہ کتاب موجودہ زمانے میں تمام فقہاء کے لیے فقہ کا اہم ترین مصدر اور منبع ہے،اور کوئی فقیہ اس کتاب کی طرف رجوع سے بے نیاز نہیں ہے،یہ کتاب شیعوں کے نزدیک کتب اربعہ کی طرح معتبر تصور کی جاتی ہے۔یہ کتاب تقریبا تیس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

شیخ حر نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ گذشتہ علماء اور محدثین کی طرح ،حکم شرعی کو عین الفاظ حدیث کی صورت میں بیان کیا جائے ،انہوں نے اپنی رائ کو ہر باب کے نام کے عنوان سے انتخاب کیا ہے۔یہ عناوین خصوصا اٹھارہویں جلد میں اخباری مسلک کے ذوق کے ساتھ بہت زیادہ سازگار ہیں،جیسا کے بیان کرتے ہیں کہ ؛جب تک فقیہ کو حکم شرعی کا یقین حاصل نہ ہو جائے اس کے لیے فتوا دینا جائز نہیں ہے۔لہذا ضروری ہے کہ فقیہ اس سلسلے میں توقف اور احتیاط کرے،غیر معصوم کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے،مگر اس جگہ پر کہ جہاں حکم کا مدرک،معصومؑ سے صادر شدہ نص ہو۔ظواہر آیات قرآن،اہل بیت کی تفسیر کے بغیر حجیت سے ساقط ہیں، وہ روایات جو پیامبر اکرم ﷺ سے ہم تک پہنچی ہیں اگر آئمہ معصومینؑ سے تائید شدہ نہ ہوں تو وہ استنباط احکام کا منبع قرار نہیں پا سکتیں۔اسی طرح شیخ حر کتب اربعہ اور ان کے علاوہ دوسری ۸۲ کتابوں کی روایات کو متواتر مانتے ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ ان کی صحت پر قرائن موجود ہیں اور ان کتب میں اسناد کا ذکر بھی تبرک اور تیمن کے طور پر کیا گیا ہے۔(48)

۲۔ اثبات الھداۃ بالنصوص والمعجزات: یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور چہاردہ معصومینؑ کے فضائل اس میں بیان کئے گئے ہیں۔اس کتاب کی پہلی جلد میں شیخ نے علم کلام کی ان ادلہ کو جو اہل بیتؑ کی جانب سے تائید شدہ نہیں ہیں ان کو ناجائز قرار دیا ہے۔(49)

۳۔ الجواہر السنیہ فی الاحادیث القدسیہ: یہ کتاب شیخ حر عاملی کی پہلی تالیف ہے،اور وہ پہلی کتاب ہے کہ جس میں احادیث قدسیہ کو جمع کیا گیا ہے، شیخ نے اس کتاب کو ''برادر قرآن'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

۴۔ امل الآمل: یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور متاخر شیعہ علماء بالخصوص علماء جبل عامل کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ شیخ حر نے اس کتاب کو مرزا محمد استرآبادی کی کتاب ''منہج المقال'' کا تتمہ قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں علماء متقدمین کے حالات زندگی قلمبند کئے گئے ہیں۔

۵۔ الفوائد الطوسیہ: اس کتاب میں سو کے قریب مختلف موضوعات پر مطالب ذکر کئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ اخباری مسلک کے اہم نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ علامہ مجلسی دوم (متوفی ۱۱۱۰ ھ)

محمد باقر بن محمد تقی بن مقصود علی اصفہانی،المعروف بہ مجلسی،آپ ۱۰۳۷ میں اصفہان میں پیدا ہوئے،اصفہان میں ہی پرورش پائی وہیں بزرگ ہوئے اور ۱۱۱۰ یا ۱۱۱۱ ھ میں اصفہان میں ہی عالم فانی کو الوداع کیا،آپ کا مزار اپنے والد گرامی کے مزار کے ساتھ مسجد جامع عتیق اصفہان میں واقع ہے۔(50)

آپ کا شمار مکتب امامیہ کے معروف اور عظیم علماء اور محدثین میں ہوتا ہے، سید نعمۃ اللہ الجزائری جو کہ تقریبا چار سال تک اپنے استاد علامہ مجلسی کے گھر میں رہے وہ ان کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"میں نے کئی سال ان کے ساتھ گزارے، دن رات ان کے ساتھ رہتا تھا۔۔۔ان کے تمام کام خدا کی بندگی اور اطاعت میں انجام پاتے تھے۔اگرچہ وہ جوان تھے لیکن تمام علوم خصوصا علم حدیث میں کافی تتبع اور تحقیق کی ہوئی تھی۔میں جب بھی کسی مجمل حدیث کے بارے میں ان سے سوال کرتا تو وہ ایک مفصل حدیث کے ذریعے کہ جس میں اس مجمل حدیث کو بیان کیا ہوتا جواب دیتے تھے۔۔۔اور میں نے کسی کو ان سے زیادہ خوش بیان نہیں دیکھا۔"(51)

علامہ مجلسی کے اہم اساتید میں ؛ان کے والد گرامی ملا محمد تقی مجلسیؒ، محمد صالح مازندرانی (متوفی ۱۰۸۶ھ)، ملا محسن فیض کاشانی، اور ملا خلیل قزوینی شامل ہیں۔(52) سید نعمۃ اللہ جزائری کے بقول، علامہ مجلسیؒ کے شاگردوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، ان شاگردوں میں سے بعض نے جہاں ان سے کسب فیض حاصل کیا وہاں انہوں نے ''بحار الانوار'' کی تالیف اور تدوین میں اور ان کی بعض دوسری کتابوں میں معاونت اور مدد کی ہے۔ جیسے سید نعمۃ اللہ جزائری، شیخ عبداللہ بن نور الدین بحرانی صاحب کتاب العوالم، ملا عبداللہ آفندی اصفہانی صاحب ریاض العلماء، محمد بن علی اردبیلی صاحب جامع الرواۃ، سید محمد صالح بن عبد الواسع خاتون آبادی صاحب کتاب حدائق المقربین اور علامہ مجلسی کی کتب کے بارے میں علماء میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے، بعض کتاب شناسوں کے نزدیک ان کی تعداد ۵۹ سے ۹۹ تک ہے، ان کے بعض آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی کی اہم، بزرگ اور مشہور ترین کتاب بحار ہے، یہ کتاب تقریبا چار سو کے قریب کتب اور رسالوں کا مجموعہ ہے، یہ کتاب حقیقت میں ایک چھوٹا کتابخانہ ہے کہ جسمیں تمام کتابوں کو ایک نام سے جمع کر دیا گیا ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار کی روایات کی صحت سے متعلق کوئی اقدام یا ادعا نہیں کیا، ان کا ہدف اور مقصد کلمات اہل بیتؑ کو جمع کرنا تھا تاکہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائیں، انہوں نے بہت طاقت فرسا کوششوں سے انتہائی معتبر اصول حدیث اور قدیم منابع حدیثی سے ان روایات کو جمع کیا ہے۔

۲۔ مرآۃ العقول فی شرح اخبار الرسول: اس کتاب کا شمار اصول کافی کی بہترین شروحات میں ہوتا ہے، اس کتاب کے بعض حصوں کی تکمیل ان کی وفات کے بعد ان کے داماد محمد صالح خاتون آبادی کے توسط سے ہوئی ہے۔

۳۔ ملاذ الاخیار فی شرح تہذیب الاخبار: شرح تہذیب الاحکام شیخ طوسی۔

۴۔ حق الیقین: یہ ان کی آخری کتاب ہے جو کہ اصول دین پر مشتمل ہے، خصوصا مسئلہ امامت کے بارے میں اس میں بحث کی گئی ہے، یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے۔

علامہ مجلسی کے بعض نظریات

علامہ مجلسی کے علمی نظریات اور افکار، اور ان کی اخباریت سے نسبت اور اسکی طرف جھکاؤ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض لوگوں کے بقول وہ معتدل اخباریوں میں سے ہیں۔ اور بعض اس بات کے قائل ہیں کہ علامہ مجلسی نہ تو اخباری محض ہیں اور نہ مجتہد خالص۔ بلکہ ان کا اپنا ایک جداگانہ مسلک ہے، ان کے شاگرد شیخ یوسف بحرانی کی نظر میں ''اخباریوں اور اصولیوں کے بین بین ہیں''۔(53)

علامہ مجلسی کے اعتدال پر بہترین دلیل محمد معصوم شیرازی کا وہ قول ہے جو وہ علامہ مجلسی کی زبان سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

"حقیر کا مسلک اس بارے میں وسط ''معتدل'' ہے، افراط اور تفریط تمام امور میں قابل مذمت ہے، بندہ اس گروہ (اخباریت) کے ان نظریات کو جن میں فقہای امامیہ کی توہین کی گئی ہے، اور ان کی طرف قلّت تدین کی نسبت دی گئی ہے، ان کو غلط اور خطاکار سمجھتا ہوں۔ وہ لوگ بزرگان دین میں سے تھے، میں ان کی کوششوں کی قدر دانی کرتا ہوں، اور اسیطرح اس مسلک اور گروہ کو جو ان ''اصولی'' مجتہدین کو اپنا پیشوا قرار دیتے ہیں، اور کسی بھی مسئلہ میں ان کی مخالفت کو جائز نہیں سمجھتے اور ان کی اندھی تقلید کرتے ہیں ان کو بھی صحیح نہیں سمجھتا۔۔۔"(54)

علامہ مجلسی کے نظریات سے آشنائی اس بات کو مزید واضح اور روشن کرتی ہے کہ وہ کس مسلک اور مرام پر تھے چنانچہ وہ اپنے تحصیل علم کے بارے میں یوں رطب اللسان ہیں کہ:

"میں جوانی کی ابتداء میں تمام علوم دینی کو حاصل کرنے کا مشتاق تھا، اور میں نے ہر چشمہ سے ایک میٹھا گھونٹ پیا، اور اس کے بعد میں اس یقین پر پہنچ گیا کہ وہ علم انسان کے کام آسکتا ہے جس کو منبع وحی اور اس خاندان سے حاصل کیا جائے جن پر جبرائیل امین نازل ہوتے تھے، لہٰذا اس کے بعد میں نے اخبار اور روایات اہل بیت میں تحقیق اور جستجو کرنا شروع کردی۔"(55)

علامہ مجلسی دینی مسائل میں عقل کے مقام کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"آئمہ معصومینؑ نے معرفت امام کے بعد عقل کے باب کو مسدود کر دیا ہے،اور لوگوں کو حکم دیا ہے کہ تمام امور میں ان کی پیروی کی جائے، لہٰذا انہوں نے تمام امور میں عقول ناقصہ پر تکیہ کرنے سے منع کیا ہے۔"(56)

علامہ مجلسیؒ کے نظریے کے مطابق لوگ اصول اعتقادی میں بھی ادلہ عقلیہ سے استفادہ نہیں کر سکتے، مگر یہ کہ وہ ادلہ، قرآن و سنت سے مستفاد ہوں، کیونکہ صرف وہی تعقل معتبر ہے جو قانون شریعت سے متصادم نہ ہو بلکہ شریعت کے موافق ہو۔(57)

علامہ مجلسی کے ان نظریات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اخباریت کی طرف جھکاؤ اور رجحان رکھتے تھے، اس کے علاوہ کچھ دوسرے قرائن بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں جیسا کے ان کے والد محمد تقی مجلسی، ان کے بہت سارے اہم اساتذہ، اکثر شاگرد یہ سب کہ سب اخباری تھے اور خود علامہ مجلسی کی اکثر کتابیں بھی روائی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف بہت سارے دوسرے عوامل ایسے جو ان کے اخباری ہونے کو مشکوک کرتے ہیں یعنی وہ اخباریوں کے بہت سارے اساسی اور بنیادی نظریات کے مخالف ہیں، جیسا کہ:

۱۔ اکثر اخباریوں کے برعکس جو کہ ظواہر قرآن کو بغیر روایات کی تائید کے حجت نہیں مانتے اور ان پر توقف کرتے ہیں، علامہ مجلسی نے اس سلسلے میں تصریح کی ہے کہ وہ ظواہر آیات کو حجت مانتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے عملا بحار الانوار کے ہر باب کے شروع میں پہلے اس باب اور موضوع سے متعلق آیات کو ذکر کیا ہے قطع نظر از روایات، اور اس کے بعد وہ روایات کو ذکر کرتے ہیں۔(58)

۲۔ شبہات تحریمیہ میں بھی اخباریوں کے برعکس وہ اصل برائت کے قائل ہیں، اور اسی وجہ سے وہ تنبا کو کو حرام نہیں سمجھتے تھے، اور نہ فقط یہ کہ حرام نہیں سمجھتے تھے بلکہ خود منبر پر قلیان (حقہ) استعمال کرتے تھے۔ البتہ اس نکتہ سے ہماری توجہ غافل نہیں ہونی چاہیے کہ علامہ مجلسی کا یہ کام ایک اجتماعی اور معاشرتی کاوش تھی جس کے ذریعے وہ اخباریوں کی بڑھتی ہوئی شدت پسندی کو روکنا چاہتے تھے۔(59)

۳۔ مفاہیم کی بحث میں، اخباریوں کے خلاف جو کہ کسی بھی مفہوم کو حجت نہیں مانتے، علامہ مجلسی اصولیوں کی طرح مفاہیم کو حجت سمجھتے ہیں۔

۴۔ اخباریوں کی روش کے برعکس جیسا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی حرمت یا وجوب کے بارے میں ہمیں علم نہ ہو تو اس کے بارے میں فتوی نہیں دیا جاسکتا اور ایسے موارد میں توقف ضروری ہے، جبکہ

علامہ مجلسی کی نظر میں چاہے اصول ہوں یا فروع اگر کسی چیز کے بارے میں ہمیں علم حاصل نہ ہو تب بھی ظن شرعی کافی ہے۔

۵۔ اخباری علماء ''اجماع کو اہل سنت کی اختراعات میں شمار کرتے ہیں، جبکہ علامہ مجلسی اصولی علماء کی طرح اسکو حجت سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ''اسکا وقوع نادر، بلکہ محال ہے''۔

۶۔ اجتہاد کے بارے میں بھی ان کا نظریہ اخباریوں کے خلاف ہے، جیسا کہ اخباری معتقد ہیں کہ اجتہاد حرام ہے اور مفتی بغیر علم کے فتوی دے تو اگر وہ واقع کہ مطابق ہو تو اسکو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا اور اگر مخالف واقع ہو تو وہ گنہگار ہے۔ جبکہ علامہ مجلسی کا عقیدہ یہ ہے کہ مفتی خطا کی صورت میں معذور ہے اور اگر واقع کے مطابق ہو تو اسکو دو اجر ملیں گے۔ایک اجتہاد اور کوشش کا اجر،اور دوسرا واقع تک پہنچنے کا اجر۔

۷۔ علامہ مجلسی کا نظریہ علم اصول کے بارے میں بھی اخباریوں کے نظریے کے برعکس ہے، جو کہ علم اصول کو اہل سنت کی ایجاد اور باطل سمجھتے ہیں، جبکہ مجلسی کے عقیدے کے مطابق علم اصول کا ایک حصہ علوم الہی میں سے ہے؛ کیونکہ علم حدیث اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۸۔ علامہ مجلسی اخبار کی تقسیم کے بارے میں بھی اخباریوں کے مخالف نظریہ رکھتے ہیں، کیونکہ اخباری احادیث کی چار قسموں یعنی، صحیح، حسن، موثق اور ضعیف کی تقسیم کو باطل سمجھتے ہیں، جبکہ علامہ مجلسی کے نزدیک یہ تقسیم قابل قبول ہے۔(60)

ان نظریات اور افکار کی روشنی میں علامہ مجلسی کا شمار مجتہدین میں ہونا چاہیے اور ان کا حساب اخباریوں سے جدا ہونا چاہیے، لیکن اگر ان کے نظریات کا علمی بنیادوں پر جائزہ لیا جائے اور ان کو ان کی عملی روش اور اخباری نظریات کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو یہ بات شاید زیادہ مناسب ہو کہ ان کا شمار اخباریوں کے بجائے اہل اجتہاد میں ہوتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ عقل گرا ہونے سے زیادہ نقل گرا ہیں۔ جیسا کہ یہ بات روشن ہے کہ اخباریوں میں بھی دو طرح کے طرز تفکر پائے جاتے ہیں، کچھ روایات کی طرف شدت سے رجحان رکھتے ہیں اور کچھ معتدل ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ علامہ مجلسی کا شمار معتدل افراد میں کیا جائے، لہٰذا علامہ مجلسی کے لیے مناسب ہوگا کہ ان کو ''اخباری'' کے بجائے ''اخبار گرا'' کہا جائے، یہاں اخباریوں میں ان کے ذکر کی وجہ بھی اخبار اور احادیث کی طرف ان کا جھکاؤ ہے۔

۹۔ سید نعمۃ اللہ جزائری (۱۰۵۰۔ ۱۱۱۲ ھ)

سید نعمت اللہ فرزند عبد اللہ بن محمد موسوی جزائری، آپ کی ولادت بصرہ کے صباغیہ نامی جزیرہ میں ہوئی، آپ کا شمار شیعوں کے عظیم اور بڑے محدثین میں ہوتا ہے، بعض بڑے علماء کے بقول آپ روایات اہل بیتؑ کے بارے میں وسیع علم رکھتے تھے، آثار معصومینؑ پر آپکی خاص نظر تھی۔ آپ نے جزائر، ہویزہ اور شیراز میں علم حاصل کیا، اور اس کے بعد اصفہان چلے گئے اور چار سال تک علامہ مجلسی کے گھر میں قیام پذیر رہے۔ آپ نے بحار الانوار کی تالیف میں علامہ مجلسی کی مدد اور معاونت کے علاوہ وہاں ''مرآۃ العقول، شرح اصول کافی'' کی تدریس بھی کی۔ اس کے بعد آپ اپنے آبائی علاقے جزائر کی طرف لوٹ آئے؛ لیکن وہاں پر والی بصرہ اور عثمانی خلافت کے والی بغداد کے درمیان نزاع کی وجہ سے ہویزہ اور اس کے بعد شوشتر تشریف لے گئے، اور وہاں قاضی القضاۃ، شیخ الاسلام اور امامت جمعہ کا منصب آپ نے قبول کر لیا۔ پھر وہیں پر تعلیم اور تدریس کا سلسلہ سال ۱۱۱۲ھ تک جاری رکھا، لیکن اسی دوران ایک دفعہ امام رضاؑ کی زیارت سے واپسی پر پل دختر کے نزدیک آپ کا انتقال ہو گیا اور وہاں پر ہی آپکو دفن کر دیا گیا۔ (61)

سید نعمت اللہ جزائری، نے مختلف موضوعات پر بہت ساری کتب تالیف کی ہیں، خصوصا اخبار اور روایات اہل بیت کے سلسلے میں آپ نے پچاس سے زیادہ آثار تالیف کئے، جن میں بعض متعدد جلدوں پر مشتمل ہیں۔ آپ کے مہم ترین آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ الانوار النعمانیہ: یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ منبع الحیات فی حجیۃ قول المجتہدین من الاموات: اس کتاب میں دو مباحث کی گئی ہیں، ایک مردہ مجتہد کے قول کی حجیت اور اعتبار، اور اس کے علاوہ لوگوں کی مقلد اور مجتہد میں تقسیم۔

۳۔ الھدایۃ فی الفقہ: آپ کا طہارت میں رسالہ عملیہ۔

۴۔ مقامات النجاۃ: یہ کتاب اسماء الحسنی کی شرح اور مختلف لطیف نکات پر مشتمل ہے، آپ نے اسکی پہلی جلد کی ''حرف ضاد'' تک تکمیل کی تھی مگر اس کے بعد آپ کے استاد علامہ مجلسیؒ نے عرفانی اور سیر و سلوک کے مطالب کی وجہ سے اس کتاب کی تکمیل سے آپ کو روک دیا۔

۵۔ عقود المرجان یا حواشی القرآن؛ یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔

۶۔ غایۃ المرام: شیخ طوسیؒ کی کتاب تہذیب الاحکام پر ایک جدید اور مختصر شرح تھی، سید نعمت اللہ نے اسی کتاب پر تفصیلی شرح بنام ''مقصوم الانام'' کے بعد اس کتاب کو تالیف کیا۔

سید نعمت اللہ جزائری نے تہذیب کے علاوہ دوسری روایی اور حدیثی کتابوں پر شروحات لکھی ہیں جیسے "کشف الاسرار فی شرح الاستبصار" اسی طرح روضۃ کافی، عوالی اللآلی، توحید صدوق، عیون اخبار الرضاؑ، الاحتجاج طبرسی اور صحیفہ سجادیہ پر بھی شروح تحریر کی ہیں۔(62)

سید نعمت اللہ جزائری کے نظریات اور آراء کا جائزہ

جیسا کے معروف ہے ،سید نعمت اللہ جزائری اخباری مسلک سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کی بعض تعبیرات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔ اسکی دلیل ایسی روایات کو نقل کرنا جن میں احکام کے اندر دلیل عقلی کے متعلق بحث کی گئی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ آپ کا جھکاؤ اخباریت کی طرف تھا۔ نمونے کے طور پر ہم یہاں ان کا نظریہ ذکر کرتے ہیں، وہ اس بات کے قائل تھے کہ اگر دلیل عقلی اور نقلی میں تعارض اور تصادم پایا جائے تو دلیل نقلی، دلیل عقلی پر مقدم ہے ،اور اس بات کے اثبات کے لیے وہ ''اخبار صحیحہ'' سے استناد کرتے تھے؛یعنی نقل کے عقل کے مقابلے میں دفاع کے لیے خود نقل سے دلیل ذکر کرتے ہیں۔(63) لیکن اس کے باوجود وہ اخباریوں کے کچھ اہم اور بنیادی عقائد اور نظریات کے مخالف نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ اخباریوں کے نظریہ کے برعکس وہ کتب اربعہ کی تمام روایات کؤ معتبر نہیں سمجھتے، یہاں تک کہ بعض کو صریحا رد کرتے ہیں۔(64)

۲۔ وہ اجتہاد جو کتاب و سنت سے استنباط شدہ ہو اسکو نہ فقط جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں۔(گذشتہ حوالہ، ص ۴۳) اگرچہ عقلی دلائل کو فقہی اور غیر فقہی مسائل میں قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔

۳۔ وہ اس بات کے معتقد تھے ،اہل اجتہاد بھی سعی و کوشش اور زحمت کرتے ہیں، اور جو کام وہ انجام دیتے ہیں اس پر وہ نیک پاداش کے مستحق ہیں، اور شائد صحیح راستہ وہی ہو جس پر انہوں نے سفر کیا ہے۔

۴۔ ظواہر آیات قرآن اور سنت پیامبر ﷺ کو حجت مانتے ہیں۔(65)

۵۔ ان سب نظریات میں ان کا سب سے اہم نظریہ یہ ہے کہ جس کو انہوں نے اپنی کتاب ''منبع الحیاۃ'' میں ذکر کیا ہے، اس کتاب میں وہ دو اصولوں کے متعلق بحث کرتے ہیں ایک وہ فقہاء کے اس قول کو رد کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ؛ قول میت، میت کی طرح ہے اور حجت نہیں ہے ''لیکن سید جزائری میت کے قول کو بھی حجت سمجھتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں کہ لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جائے ایک مجتہد اور دوسرا مقلد۔(66)

سید جزائری کے ان نظریات کو دیکھتے ہوئے اس نکتہ کی جانب توجہ ضروری ہے کے سید جزائری کے اساتید میں بعض ایسے افراد شامل تھے جو کہ یقینی طور پر اصولی اور مکتب اجتہاد سے وابستہ تھے، جیسے مرزا ابراہیم فرزند ملا صدرای شیرازی، شاہ ابو الوالی محمد شیرازی (ان استادوں سے سید نے فلسفہ اور کلام پڑھا) شیخ جعفر بحرانی (جن سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی) سید ہاشم بن حسین احسائی جن سے ''زبدۃ الاصول شیخ بہائی'' کو پڑھا، اور شیخ عماد الدین یزدی، جو آپ کے حکمت، منطق اور ریاضی میں استاد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علوم عقلیہ سے بھی سروکار رکھتے تھے۔

دوسری جانب علوم نقلیہ میں آپ کے اساتید جو اخباریت کی طرف میل یا رجحان رکھتے تھے وہ نسبتا معتدل تھے جیسے علامہ محمد باقر مجلسی، فیض کاشانی، شیخ عبد علی حویزی، یہ سب کے سب افراد اخباریوں مین معتدل نظریات کے حامل تھے۔ مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے کہ سید جزائری کو معتدل اخباریوں میں شمار کیا جائے، اگرچہ وہ علامہ مجلسی کی نسبت کم معتدل تھے۔(67)

۱۰۔ شیخ عبداللہ سماہیجی (۱۰۸۶۔۱۱۳۵ ھ)

شیخ عبداللہ فرزند صالح بن جمعہ، بحرین کے ایک دیہات سماہیج میں پیدا ہوئے، خوارج کے حملہ کے سبب اصفہان آگئے، اور جب افغانیوں نے اصفہان پر حملہ کیا تو وہاں سے بہبہان چلے گئے اور ہمیشہ کے لیے ادھر ہی سکونت اختیار کر لی۔ سماہیجی ایک متبحر محدث، اور ید طولی رکھنے والے شاعر تھے۔ سماہیجی کے اساتید میں سے ان کی تعلیم و تربیت میں جس شخص کا کردار سب سے زیادہ ہے وہ ' شیخ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی المعروف محقق بحرانی ہیں۔

سماہیجی کا شمار شدت پسند اخباریوں میں ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے ہم مسلک اخباریوں سے بہت عقیدت اور ارادت رکھتے تھے، جیسا کہ اپنے ایک اجازہ میں جو انہوں نے شیخ یاسین کو عطا کیا اس میں خود کو ''اخباریوں کا خادم اور ان کے قدموں کی خاک'' قرار دیا ہے۔(68) لہٰذا ان کو اخباریوں سے جتنی زیادہ محبت اور عقیدت تھی ،برعکس اہل اجتہاد اوراصولیوں سے اتنی ہی زیادہ نفرت اور عداوت تھی، سماہیجی اصولیوں کو برا بھلا کہنے میں شہرت رکھتے تھے۔ محدث بحرانی جو کہ خود ایک اخباری ہیں، سماہیجی کو خالص اور ناب اخباریوں میں شمار کرتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ؛ سماہیجی بہت زیادہ مجتہدوں کی برائی اور ملامت کرتے تھے۔(69) لہٰذا سماہیجی اخباریت میں انتہائی شدت پسندی سے کام لیتے تھے،اور یہ بات اس زمانے اور بعد کے علماء میں معروف تھی۔

سماہیجی نے بہت ساری کتب تالیف کی ہیں،ان کتب کی خصوصیت یہ ہے کے ان میں سے اکثر مجتہدین اور اصولیوں کے خلاف ،اور اخباریوں کی حمایت میں لکھی گئی ہیں۔ ان کی معروف کتاب ''منیتہ الممارسین فی اجوبۃ الشیخ یاسین''اس کتاب میں سماہیجی نے،اخباریت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اور تقریبا چالیس کے قریب اصولیوں اور اخباریوں میں فرق بیان کئے ہیں۔

ان کے دوسرے آثار میں بھی ان کے اخباری نظریات کی شدت اور غلبہ نظر آتا ہے، جیسے ایک رسالہ بنام ''رسالہ ای در نفی اجتہاد''اس رسالے میں انہوں نے یہ دعوی کیا ہے کہ اجتہاد معصومینؑ کے زمانے میں اصلا موجود نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ''ریاض الجنان المشحون باللؤلؤۃ والمرجان''الرسالۃ العلویہ فی ثلاث مسائل کلامیہ،کتاب النوحیہ'' یہ کتاب علم اصول فقہ سے متعلق ہے اور نوح بن ہاشم کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔(70)

۱۱۔ شیخ یوسف بحرانی (۱۱۰۷۔۱۱۸۶ھ)

شیخ یوسف بن احمد بن ابراہیم بن احمد بن صالح بحرانی المعروف بہ ''صاحب حدائق'' جلیل القدر محدث،آپ اخلاص اور اخلاقی خصوصیات کی وجہ سے علمی لحاظ سے بہت بلند مقام پر فائز ہوئے۔آپ کا مقام ولادت قریہ ''ماحوز'' منامہ (بحرین کا دارالحکومت) سے جنوب غرب کی جانب واقع ہے۔ بچپن میں آپ نے علمی ،ادبی ،تربیتی اور اخلاقی تعلیم اپنے والد گرامی جناب ''شیخ احمد بحرانی'' سے حاصل کی۔

لیکن آپ نے اپنے والد کی اصولی اور اجتہادی روش اور مسلک کو چھوڑ کر محمد امین استر آبادی کے شیوہ اور نظریہ کو اپنایا اور اخباری مسلک کی طرف جھکاؤ پیدا کیا۔ لیکن ان کا شمار معتدل اور میانہ رو اخباریوں میں ہوتا ہے۔(71)

محدث بحرانی کی زندگی، نشیب و فراز، تلخیوں اور شیرینیوں کا مجموعہ ہے انہوں نے بہت پر آشوب زمانہ دیکھا اور ان کی زندگی ایک ملک سے دوسرے ملک، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک دیہات سے دوسرے دیہات میں مہاجرت اور مسافرت میں گزری اور آخر شہید نینوا کے جوار میں ان کو پناہ ملی، آخر عمر تک وہیں سکونت اختیار کی اور کربلا میں ہی دار دنیا کو الوداع کیا اور امام حسینؑ کے قدموں میں دفن ہوئے۔

انہوں نے اپنی روش اور مسلک کو علامہ مجلسیؒ صاحب بحار الانوار کے مسلک سے تعبیر کیا ہے، لیکن نظریاتی اور فکری طور پر اعتدال کے باوجود، محمد باقر وحید بہبانی (متوفی ۱۲۰۵ ھ) نے ان کی شدید مخالفت کی اور جو لوگ ان کے درس میں شرکت کرتے تھے ان کی ملامت کرتے تھے۔ سید علی طباطبائی (متوفی ۱۲۳۱ ھ) صاحب ریاض المسائل، جو کہ آقای بہبہانی کے داماد بھی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے سسر محترم سے چھپ کر صاحب حدائق کی خدمت میں پہنچتے تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔(72)

وحید بہبہانی اس حد تک اخباریوں کے مخالف تھے کہ وہ لوگوں کو صاحب حدائق کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ درحالانکہ صاحب حدائق کے نزدیک وحید بہبہانی کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح تھا، جب صاحب حدائق کو یہ خبر دی گئی کہ وحید بہبہانی نے آپ کے بارے میں یہ حکم دیا ہے تو انہوں نے کہا، ان کا شرعی وظیفہ وہی ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں اور میرا شرعی وظیفہ وہی ہے جس کو میں نے بیان کیا ہے۔ ہم دونوں میں سے ہر کوئی اپنے اس وظیفے پر عمل پیرا ہے جس پر خدا نے ہم کو مکلّف بنایا ہے، اور یہ صاحب حدائق کا اجتہاد ہے جس سے ان کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔(73)

علامہ یوسف بحرانی نے جہاں بہت سارے جلیل القدر علماء سے کسب فیض کیا، وہاں انہوں نے بہت سارے عظیم علماء اور شاگردوں کی تربیت بھی کی ہے۔ آپ کے کچھ شاگردوں کے نام یہ ہیں، ملا محمد مہدی نراقی، صاحب جامع السادات، علامہ سید مہدی بحر العلوم، شیخ ابو علی حائری، صاحب منتہی المقال، سید علی طباطبائی، صاحب ریاض المسائل وغیرہ(74)

محدث بحرانی بہت ساری کتابوں کے مؤلف بھی ہیں، الدرر النجفیہ کے مقدمہ میں پچاس کتابیں، رسالے، حواشی، اور اجوبۃ المسائل ان کے لیے ذکر ہوئے ہیں۔ ان کے بعض آثار درج ذیل ہیں:

۱۔ الحدائق الناضرۃ: یہ کتاب اخبار کی جمع آوری، اور تفسیر کے لحاظ سے بہترین فقہی کتاب ہے، گرچہ مؤلف کی رحلت کی وجہ سے مکمل نہیں ہو سکی، خود محدث بحرانی اس کتاب کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ:

"ہمارے علماء میں سے کسی نے ''الحدائق الناضرۃ جیسی کتاب نہیں لکھی، کیونکہ میں ہر مسئلہ میں وارد ہوا ہوں تو میں نے اس مسئلہ سے متعلق تمام روایات، فقہاء کے اقوال اور اسکی فروعات کو ذکر کیا ہے، البتہ یہ کربلا معلیٰ کی برکات ہیں۔" (75)

محدث بحرانی اس کتاب میں ظواہر قرآن کی حجیت کا ان کار کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نظر میں آیات، روایات کے بغیر قابل استفادہ نہیں ہیں، ان کی نظر میں احکام میں ظواہر آیات سے فقط روایات کی مدد سے ہی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ احکام شرعیہ میں عقل کی حجیت کو بھی رد کرتے ہیں، نیز شبہات حکمیہ میں استصحاب کی حجیت کے بھی منکر ہیں۔ (76)

۲۔ الدرر النجفیہ: یہ کتاب ۶۲ فقہی موتیوں پر مشتمل ہے، محدث بحرانی نے اس کتاب میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جب بھی عقلی دلیل نقلی دلیل سے متصادم ہو تو نقلی دلیل عقلی دلیل پر ترجیح رکھتی ہے۔ (77)

۳۔ لؤلؤۃ البحرین: یہ کتاب خود صاحب حدائق کے حالات زندگی اور ان کے مشائخ اجازہ کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔

۴۔ سلاسل الحدید فی تقیید ابن ابی الحدید: یہ کتاب امامت کی مباحث پر مشتمل ہے اور اس کے ساتھ ابن ابی الحدید معتزلی کے امامت، خلفاء اور صحابہ کے حالات زندگی کے بارے میں نظریات کو نقل اور نقد کیا گیا ہے۔

۱۲۔ مرزا محمد اخباری (۱۱۷۸۔ مقتول ۱۲۳۲ھ)

مرزا محمد بن عبد النبی بن عبد الصانع نیشاپوری اکبر آبادی، کنیت ابو احمد و المعروف بہ مرزا محمد اخباری و محدث نیشاپوری (متوفی ۱۲۳۲ ھ)، مرزا اخباری ایسے عالم تھے کہ جو علوم غریبہ میں بھی مہارت رکھتے

تھے،اس کے علاوہ آپ نے ساٹھ ہزار کے قریب عربی اور فارسی شعر کہے ہیں۔آپ کے اجداد کا تعلق استر آباد سے تھا،آپ کے والد نیشاپور کے رہنے والے تھے، اور وہاں سے اکبر آباد ہندوستان میں ہجرت کی۔ مرزا محمد ہندوستان میں پیدا ہوئے،انہوں نے ابتدائی تعلیم ہندوستان میں ہی حاصل کی اور بیس سال کی عمر میں ہندوستان سے بیت اللہ کی زیارت کے لیے عازم ہوئے اور وہاں سے واپسی پر دینی علوم حاصل کرنے کے لیے،کچھ عرصے کے لیے نجف، کربلااور کاظمین میں سکونت اختیار۔(78)

مرزا محمد شدت پسند اور متعصب ترین اخباریوں میں شمار ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی ساری زندگی اصولی علماء اور مجتہدین سے نزاع اور جدال میں گزری، انہوں نے مجتہدین کی شان میں کافی جسارتیں کی ہیں۔مثلا شیخ جعفر کاشف الغطاء (متوفی ۱۲۲۷ ھ) کو انہوں نے نسل بنی امیہ سے قرار دیا، اور جب ایران میں انہوں نے شیخ جعفر الغطاء کی وفات کی خبر سنی تو یہ جملہ کہا:''مات الخنزیر بمرض الخنازیر''(79)

انہوں نے وحید بہبہانی کو ''فقیہ مروانیان'' کالقب دیا، کہ جن کے ہاتھوں سے اخباری علماء نے بہت تکلیف برداشت کی،اور وہ زوال کا شکار ہوگئے۔(80)

مرزا محمد اخباری کی عبرت انگیز زندگی کا مطالعہ لطف سے خالی نہیں ہے، ان کی شدت پسندی کی وجہ سے آخر کار مجتہدین نے ان کے قتل کا فتوی صادر کیا اور وہ اسی راستے میں قتل کر دیئے گئے۔ مرزا محمد اخباری نے علماء عتبات سے کسب فیض کے بعد، فقہاء جیسے شیخ جعفر نجفی، سید علی طباطبائی، صاحب ریاض المسائل، سید محمد باقر شفتی اصفہانی، محمد باقر کلباسی اور سید محسن کاظمی اعرجی،کے ساتھ شدید اختلافات شروع کر دیئے،اور ان کو اپنے مجادلات اور شدت پسندانہ نظریات کے ذریعے شدید اذیت میں مبتلا کر دیا، آخر کار اصولی علماء کے دباؤ پر مرزا محمد کو عراق سے نکلنا پڑا،انہوں نے وہاں سے ایران کی طرف ہجرت کی۔کچھ مدت تک وہ ایران کے شہروں جیسے ری،اصفہان، مشہد،گیلان میں سر گرداں رہے۔ دو سال تک فیروز آباد میں امامت جمعہ کرانے کے بعد، مرزا تہران آگئے،اور وہاں فتح علی شاہ قاجار نے آپ کو بہت عزت اور احترام دیااور چار سال تک وہاں رہنے کے بعد عراق پلٹ آئے اور پھر کاظمین چلے گئے۔ لیکن انہوں نے دوبارہ عراق واپس آنے کے بعد بغیر کسی خوف اور ڈر کے علی الاعلان، محافل اور منبر پر اصولی مجتہدین کو سب و شتم کرنا شروع کر دیا ،یہاں تک کہ سید محمد مجاہد(متوفی ۱۲۴۲ ھ) صاحب مناہل، کاظمین تشریف لائے اور مرزا محمد کو اس کام سے روکا، لیکن انہوں نے ان کی بات ماننے سے ان

کار کر دیا ،اور نہ فقط یہ کہ ان کی بات نہ مانی بلکہ ان کو بھی اذیت کرنا شروع کر دی۔ سید محمد نے مجبور ہو کر اس واقعہ کی اطلاع شیخ موسی فرزند شیخ جعفر کاشف الغطاء کو نجف میں دی ،وہ علماء اور عوام کے ایک وفد کے ساتھ کاظمین آئے اور وہاں ایک میٹنگ کی ،اس میٹنگ میں سید مجاہد، سید عبد اللہ شبر ،اور شیخ اسد اللہ کاظمینی وغیرہ بھی موجود تھے، اس میٹنگ میں مرزا محمد اخباری کے قتل کا حکم صادر کیا گیا اور اس کی تائید کرکے لوگوں کے سامنے اس کو سب کو سنایا گیا۔

دوسری طرف عثمانی خلافت کے دو نمائندوں بنام اسعد پاشا اور دواؤد پاشا کے درمیان بغداد کی حکومت کے سلسلے میں نزاع چل رہی تھی، اسعد پاشا کے مرزا محمد سے تعلقات تھے اور ان کے ہاں آنا جانا تھا، لہٰذا جب دواؤد پاشا نے مرزا محمد کے قتل کا حکم سنا تو اپنے رقیب اسعد پاشا کو نقصان پہنچانے اور اس سے بدلہ لینے کی خاطر لوگوں کو اسطرح بھڑکایا کہ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۳۲ھ ، میں لوگوں نے ان کے گھر پر حملہ کر دیا، اور مرزا محمد کو اس کے بیٹے احمد اور ایک شاگرد کے ساتھ قتل کر دیا، اور ان کے مال واسباب کو لوٹ لیا، اس کے بعد ایک رسی ان کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر ان کی لاش کو گلی کوچوں میں گھمایا پھرایا گیا، اور پھر مغرب کے نزدیک ان کو کاظمین کے دروازے کے قریب دفن کر دیا گیا۔(81)

مرزا محمد کی علمی زندگی پر ایک نظر

مرزا محمد اخباری المعروف محدث نیشاپوری کے بعض اساتید کے نام درج ذیل ہیں:

آقا محمد باقر بن محمد علی؛ شیخ موسی بن علی بحرانی (متوفی ۱۲۰۸ھ)؛ مرزا محمد مہدی شہرستانی (متوفی ۱۲۱۶ھ)؛ محمد علی فرزند محمد باقر وحید بہبہانی (۱۲۱۶ھ)۔(82) مرزا محمد کے بعض معروف شاگردوں کے نام جنہوں نے ان سے تلمذ کیا، عبارت ہیں: فتحعلی خان شیرازی سبط کریم خان؛ ملا محمد باقر دشتی لاری؛ ملا عبد الحسین؛ محمد ابراہیم بن محمد علی طبسی اور ملا عبد الصاحبدوانی۔(83)

مرزا محمد کی اکثر تالیفات، علم فقہ، علم کلام، اور اخباریت کے دفاع اور اصولی مجتہدین کی مخالفت میں تحریر کی گئی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی علم رجال سے مربوط کتاب ''صحیفۃ الصفا'' میں بیان کیا ہے کے، چالیس سال کی عمر تک اسی (۸۰) کے قریب کتب اور رسالے تحریر کر چکے تھے۔(84) یہاں ہم ان کی بعض تالیفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ صحیفۃ الصفا: یہ ان کی مشہور کتاب ہے جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے،اس کی پہلی جلد میں انہوں نے علم رجال کی مقدماتی مباحث اور علم حدیث اور درایۃ سے متعلق مہم مطالب کو ذکر کیا ہے۔ جبکہ دوسری جلد میں حروف تہجی کے اعتبار سے دوسرے علماء اور اپنے حالات زندگی اور اپنی تالیفات کو بیان کیا ہے۔

۲۔ منیۃ المرتاد فی ذکر نفاۃ الاجتہاد: اس کتاب میں آئمہ کے اصحاب سے لیکر اپنے زمانے تک جتنے لوگ اجتہاد کے منکر تھے اور جنہوں نے اجتہاد کے رد میں کتب لکھی ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ شمس الحقیقۃ: یہ کتاب اخباریت کی تعلیمات سے متعلق ہے۔

۴۔ البرہان فی التکلیف والبیان : یا البرہانیہ: اس کتاب میں تکلیف،اسکی شرائط،اور اسباب کا ذکر ہے، نیز اخباری مسلک کی حقانیت اور مجتہدین کی توہین اور رد ہے۔

۵۔ حرز الحواس عن وسوسۃ الخناس: اس کتاب اصولیوں اور اخباریوں کے درمیان ۳۹ افتراقات کو بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ الطہر الفاصل بین الحق والباطل: اس کتاب میں انہوں نے اخباریوں اور اصولیوں کے درمیان ۸۶ امتیازات کو بیان کیا ہے۔

۷۔ الدمدمۃ الکبری فی الرد علی الزنادقۃ الصغری: یہ ان کی اصولیوں کے رد میں ایک اور کتاب ہے۔

۸۔ قبسۃ العجول: یہ کتاب مرزا محمد اخباری نے علم اصول کے رد میں لکھی تھی، مرزا قمی نے ایک رسالہ بنام ''عین العین'' اس کے رد میں تحریر کیا،اس کے بعد مرزا اخباری نے ''عین العین'' کے رد میں ایک اور کتاب بنام ''انسان العین'' تالیف کی اور اس کتاب کے لیے تین عنوان قرار دیئے۔ جیسے کتاب ''قبسۃ کی عبارات کے لیے کلمہ '' قلّت'' کلام العین کے لیے لفظ '' قال'' اور انسان العین کے الفاظ کے لیے ''اقول'' ان الفاظ کے ذریعے ان کتابوں کی عبارات کو مشخص کیا ہے۔

۹۔ معول العقول فی قلع اساس الاصول: اس کتاب کو باب تخفیف کی وجہ سے '' قلع الاساس'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، سید دلدار علی ہندی نے اساس الاصول نامی ایک کتاب لکھی اور اسمیں مرزا محمد امین

استر آبادی کی کتاب ''الفوائد المدنیہ'' پر اعتراضات اور اشکالات کئے۔ مرزا اخباری نے یہ کتاب دلدار علی مرحوم کی کتاب اساس الاصول کے رد میں لکھی، اس کتاب میں انہوں نے شیخ جعفر نجفی کی توہین کی ہے۔

۱۰۔ غمزۃ البرہان لنبھۃ الوسنان: یہ کتاب علماء علم اصول کے رد اور ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

۱۱۔ القسورۃ: اس کتاب میں مجتہدین پر اعتراضات کئے گئے ہیں، اور بعض مسائل کو سوال کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ آیا علم کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے؟ پھر خود ہی ان سوالات کے جوابات دیئے ہیں، اس کتاب کو انہوں نے مرزای قمی صاحب قوانین کی طرف ارسال کیا، مرزا قمی نے بھی اس کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔

۱۲۔ آینہ عباسی، یا امالی عباسی: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، یہ کتاب عباس مرزا، فتحعلی شاہ کے بیٹے کے حکم پر اہل کتاب کے رد اور نبوت خاصہ کے اثبات میں لکھی گئی۔ (85)

نتیجہ

اخباریہ وہی اہل حدیث ہیں، کہ شیعوں میں جنکو اخباری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ لوگ اخبار اور روایات کے تابع ہیں اور ''اجتہاد'' کو باطل سمجھتے ہیں۔ اس مسلک کے مؤسس اور بانی ملا محمد امین استر آبادی ہیں، جنکا شمار شیعوں کے متاخر علماء میں ہوتا ہے۔ صاحب ''لؤلؤۃ البحرین'' کے مندرجات کی روشنی میں استر آبادی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مجتہدین پر لعنت اور ملامت کا دروازہ کھولا، اور ان کے اس اقدام کی وجہ سے شیعہ اثنی عشریہ دو حصوں ''اخباری اور اصولی'' میں بٹ گئے۔

ملا محمد امین استر آبادی نے اپنی کتاب ''فوائد مدنیہ'' میں اپنے اخباری نظریات کو کھل کر بیان کیا ہے اور اسی کتاب میں انہوں نے اصولی مجتہدوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا اور ان کو دین کی تخریب کا ذمہ دار قرار دیا۔ ملا محمد امین منکر ''اجتہاد'' ہیں، ان کا اس سلسلے میں نظریہ یہ ہے کہ جدید علماء کا اجتہاد کا نظریہ قدیم علماء کی روش اور سیرت و سنت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ لیکن اخباری علماء میں جہاں محمد امین استر آبادی، مرزا اخباری، عبد اللہ سماہیجی جیسے شدت پسند اور متعصب علماء موجود ہیں، وہاں ایسے علماء بھی ہمیں نظر آتے ہیں جنکی سوچ معتدل، افہام و تفہیم، وحدت، برداشت اور تحمل پر مبنی ہے، ان علماء میں

سر فہرست علامہ مجلسی دوم، شیخ یوسف بحرانی، ملا محسن فیض کاشانی، سید نعمت اللہ جزائری اور شیخ حر عاملی جیسے نامور اور بزرگ علماء شامل ہیں۔

حوالہ جات

1 ۔ لغت نامہ دہخدا، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۷۷ شمسی، چاپ دوم، (کلمہ اخباری کے ذیل میں)۔
2 ۔ راہنمای دانشوران، سید علی اکبر برقعی قمی، ج۱، ص۱۹، ناشر، دفتر انتشارات اسلامی، چاپ اول، سال ۱۳۸۴ شمسی۔
3 ۔ لویس معلوف؛ المنجد، ''حرف خ'' ص۱۸۹، مترجم، مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی، ناشر، خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور،)۔
4 ۔ فیروز اللغات، ص۸۴، مطبوعہ فیروز سنز لاہور۔
5 ۔ قلائد الفرائد، غلام رضا قمی، ص۲۰، تصحیح محمد حسن شفیعی شاہرودی، قم، مؤسسہ امام صادقؑ، ۱۴۲۳ھ، چاپ اول۔
6 ۔ حکیم متالہ، بیدآبادی ص۴۴، اسی تعریف سے ملتی جلتی تعاریف درج ذیل منابع میں بھی ذکر ہوئی ہیں: دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، مدخل ''اخباریان''، احسان قیصری، دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ، حسن امین، ج۲، ص۲۲۱، دائرۃ المعارف تشیع، مدخل ''اجتہاد'' ج۲، ص۷)۔
7 ۔ مجتبی مکی اصفہانی، با مقدمہ آیت اللہ جعفر سبحانی (دامت برکاتہ) فرہنگ اصطلاحات اصول، ج۱، ص۳۴، چاپ اول، ناشر؛ عالمہ، قم، ایران، سال ۱۳۷۹ شمسی)۔
8 ۔ دانش نامہ شاہی، استر آبادی، ص۱۷۔
9 ۔ الفوائد المدنیہ، ص۴۰ و ۱۳۵، محمد امین استر آبادی، قم دار النشر اہل البیت، ۱۳۶۳ شمسی۔
10 ۔ الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص۱۷۰، شیخ یوسف بحرانی، قم، مؤسسہ نشر اسلامی، ۱۳۷۷ ش۔
11 ۔ الفوائد الطوسیہ، ص۴۴۶، محمد بن حسن حر عاملی، تصحیح، مہدی لازوردی و محمد درودی، قم، المطبعۃ العلمیہ، ۱۴۰۳ھ۔
12 ۔ المعالم الجدیدۃ للاصول، ص۸۰، شہید محمد باقر الصدر، تہران، مکتبہ النجاح، ۱۳۹۵ھ چاپ دوم؛ ادوار اجتہاد، محمد ابراہیم جناتی، ص۳۳۵، تہران، کیہان، ۱۳۷۲ھ
13 ۔ کشف القناع، ص۲۰۸، ۲۰۷، اسد اللہ تستری (محقق کاظمی)، قم، مؤسسہ اہل البیت، ۱۴۱۷ھ۔ چاپ اول۔

14 ۔ اسلام و مقتضیات زمان، ج۱، ص ۱۴۳، مرتضی مطہری، صدرا، ۱۴۱۹ھ ق، چاپ ۱۴۔
15 ۔ ہدایۃ المسترشدین، ج ۳، ص ۶۸۷۔۶۸۸، محمد تقی رازی نجفی اصفہانی، تحقیق، مؤسسہ نشر اسلامی، ۱۴۳۰ھ، اول۔
16 ۔ تاریخ سیاسی تشیع، روح اللہ حسینیان، ص ۲۰۰۔۲۰۴، تہران، مرکز اسناد انقلاب اسلامی، ۱۳۸۰ شمسی، اول۔
17 ۔ قواعد الاستنباط الاحکام، ج۱، ص ۱۵؛ حسن بن یوسف حلی (علامہ حلی) ، تحقیق، مؤسسہ نشر اسلامی، قم، ۱۴۱۳ھ، نقدی بر اخباریگری، ص ۱۲۔ ۱۳، سید مرزا آقا محسنی، قم؛ دار لنشر اسلام، ۱۳۷۱ شمسی، اول۔
18 ۔ المعالم الجدیدۃ للاصول، ص ۸۰۔۸۱
19۔ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۴۹۷؛ نقد الرجال، ص ۳۲۴، شمارہ ۵۸۱؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۸ ص ۱۸۱، ریاض العلماء، ج ۵، ص ۱۱۶۔۱۱۷؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، ص ۱۰۶؛ الفوائد المدنیہ، ص ۱۷۔۱۸ و ۱۸۵؛)
20 ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ ''اجازہ، اجازہ اجتہاد تھا، ر ک؛ دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ، ج ۲، ص ۲۲۲، حسن امین، دار التعارف للمطبوعات، ۱۴۱۲ھ، چاپ پنجم۔ (دائرۃ المعارف تشیع، ج ۲، ص ۷، زیر نظر احمد صدر حاج سید جواد و کامران فانی و بہاء الدین خرمشاہی، تہران، شہید سعید محبی، تہران، ۱۳۷۵ شمسی، دوم۔
21 ۔ گذشتہ حوالہ، ص ۱۸۵
22۔ ''روضات الجنات، ج۱، ص ۱۲۰۔ ۱۲۲، و ج ۴، ص ۱۲۰؛ ادوار الاجتہاد، ص ۱۷۳؛ الفوائد المدنیہ، ۱۸۵، ۱۳۳، ۱۸، ۱۷؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۸، ص ۱۸؛ دانش نامہ شاہی، ص ۱۸۲؛ موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج ۱۱، ص ۸۳ و ۳۱۴؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۵۶، و ۵۷۴ و ۵۷۵؛)
23 ۔ ریاض العلماء، ج ۵، ص ۱۸۴، ۹۰، ۴۷، ۴۰، ۳۶؛ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ، ج ۱۶، ص ۳۵۸، ش ۱۶۶۳؛۔
24 ۔ الذریعہ، ج ۲، ص ۴، ش ۷، شیخ آقا بزرگ تہرانی، قم، اسماعیلیان۔
25 ۔ ان کے حالات زندگی کے بارے میں ر ک: بحار الانوار، ج ۲، ص ۱۱۰، ۱۰۶؛ اور ج ۱۰۲، ص ۱۱۰؛ جامع الرواۃ، ج ۲، ص ۸۲، رجال اصفہان، ج۱، ص ۱۰۱؛ اعیان الشیعہ، ج ۱۳، ص ۴۵۰، ش ۹۳۱۵؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج ۷، ص ۱۶۱؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۵، ص ۱۰۱۔
26 ۔ لوامع صاحبقرانی، ج۱، ص ۴۷۔۴۸، محمد تقی مجلسی، قم، اسماعیلیان، ۱۴۱۴ھ، دوم، یہ کتاب من لایحضر الفقیہ کی فارسی شرح ہے۔
27 ۔ اعیان الشیعہ، ج ۱۳، ص ۴۵۰، ش ۹۳۱۵؛ ریحانۃ الادب، ج ۵، ص ۱۹۸؛ الذریعہ، ج۱، ص ۱۶۲، ش ۱۶۳؛ زندگی نامہ علامہ مجلسی، ج ۲، ص ۳۷۱۔۳۷۵؛

28 ۔ الذریعہ، ج۱۱، ص۳۰۲، ش۱۸۰۳؛

29 ۔ الذریعۃ، ج۱۸، ص۳۶۸۔۳۶۹، ش۴۹۷و۵۰۰؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج۵، ص۱۰۱۔

30 ۔ بحار الانوار، ج۱۰۲، ص۱۱۰۔۱۱۳؛ الذریعہ، ج۱۳، ص۳۰۵، ش۱۱۱۷؛

31 ۔ ریاض العلماء، ج۲، ص۲۶۱؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج۷، ص۲۴۷۔۲۴۸۔

32 ۔ روضات الجنات، ج۳، ص۲۷۰؛ ریاض العلماء، ج۲، ص۲۶۲؛

33 ۔ روضات الجنات، ج۳، ص۲۷۱۔۲۷۸؛ ریاض العلماء، ج۲ص۲۶۱۔۲۶۵؛ اعیان الشیعہ، ج۱۰، ص۱۵۱، الذریعہ، ج۱۵، ص۴؛

34 ۔ طبقات اعلام الشیعہ، ج۵، ص۳۳۲؛ آقا بزرگ تہرانی، قم، مؤسسہ اسماعیلیان، ۱۳۹۲، دوم۔

35 ۔ اعیان الشیعہ، ج۱۲، ص۴۰، ش۷۹۴۵؛ امل الآمل، ج۲، ص۱۵۴، ش۴۴۹؛

36 ۔ الانوار النعمانیۃ، ج۲، ص۴۶؛ منبع الحیات، ص۲۵؛

37 ۔ موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج۱۱، ص۱۵۲؛ زیر نظر آیہ اللہ جعفر سبحانی، قم، مؤسسہ امام صادق، ۱۴۱۸ھ، اول۔ امل الآمل، ج۲، ص۱۵۴؛

38 ۔ نور الثقلین، ج۱، مقدمہ علامہ طباطبائی، ص۲، عبد علی عروسی حویزی، تصحیح سید ہاشم رسولی محلاتی، قم، دار الکتب العلمیہ، دوم۔

39 ۔ امل الآمل، ج۲، ص۳۰۵، ش۹۲۵؛ محمد بن حسن حر عاملی، تحقیق؛ سید احمد حسینی، بغداد، مکتبہ الاندلس، ۱۳۸۵ ھ، اول۔

40 ۔ مہر تابان، یاد نامہ علامہ سید محمد حسینی طباطبایی، ص۲۶، سید محمد حسینی تہرانی، قم، باقر العلوم، ۱۴۰۲ھ، اول۔

41 ۔ الحق المبین فی تصویب المجتہدین و تخطئۃ الاخباریین، ص۱۲، شیخ جعفر کاشف الغطاء، قم، شیخ احمد شیرازی، نسخہ سنگی۔

42 ۔ روضات الجنات، ج۶، ص۸۱؛ نیز رک؛ مقدمہ مفاتیح الشرائع، ج۱، ص۴؛

43 ۔ لؤلؤۃ البحرین، ص۱۲۱،

44 ۔ مقدمہ بر فقہ شیعہ، سید حسین مدرسی طباطبائی، ص۵۹؛ ترجمہ محمد آصف فکرت، مشہد؛ بنیاد پژوہش ھای اسلامی، مشہد، ۱۳۶۸ شمسی۔

45 ۔ روضات الجنات، ج۷، ص۱۰۴۔۱۰۵، ش۶۰۵، الفوائد الرضویہ، ص۱۱۰؛

46 ۔ ایضا۔

47 ۔ اثبات الھداۃ، ج۱، ص۱۱۹، باب ۴، ص ۱۳۲، باب ۵ و ص ۳، محمد حر عاملی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۴ھ۔

48 ۔ ان موراد کے لیے رک؛ وسائل اشیعہ، ج۱۸، ص۹، ص ۱۵۲، ۱۲۹، ۸۹، ۱۱۹، ۱۱۱، ج۲۰، ج۲۰، ص۳۶۔۴۹۔

49 ۔ اثبات الھداۃ، ج۱، ص۱۱۹، باب ۴، ص ۱۳۲، باب ۵ و ص ۳؛

50۔ روضات الجنات، ج ۲، ص ۸۷؛ محمد باقر موسوی خوانساری، تحقیق؛ اسد اللہ اسماعیلیان، تہران، اسماعیلیان، ۱۳۹۰ھ۔

51 ۔ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار، ج۲، ص۷۵؛ سید نعمت اللہ جزائری، تحقیق؛ مؤسسہ علوم آل محمد، قم، دار الکتاب، ۱۴۰۸ھ، اول۔

52 ۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی، ج۱، ص۵۶۔۵۸، مہدی مہریزی، ھادی ربانی، تہران؛ وزارت فرھنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۷۸ شمسی، اول۔

53 ۔ زندگی نامہ علامہ مجلسی، سید مصلح الدین مہدوی، ج۱، ص۲۳۶، تہران، دبیر خانہ ہمایش بزرگداشت علامہ مجلسی، ۱۳۷۸ش، اول۔ الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص ۱۴۔۱۵،

54 ۔ طرائق الحقائق، ج۱، ص۲۸۱، محمد معصوم شیرازی، تصحیح؛ محمد جعفر محجوب، تہران، کتاب خانہ سنائی، ۱۳۱۶ھ۔

55 ۔ بحار الانوار، ج۱، ص ۲۔ ۳، محمد باقر مجلسی، بیروت، مؤسسہ الوفاء، ۱۴۰۳ھ، دوم۔

56 ۔ گذشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۳۱۴؛

57 ۔ مرآۃ العقول، ج ۲ ص ۲۶۸، اسکے علاوہ رک: الاعتقادات، ص۵۔۶، بحار الانوار، ج۱، ص ۱۰۳۔

58 ۔ الفوائد المدنیہ، ص ۷۴؛ بحار الانوار، ج ۸۶، ص ۱۳۹۔ ۱۴۷۔۱۴۹؛ ج ۸۲، ص ۱۷، ج ۳، ص ۲۳۴؛

59 ۔ روضات الجنات، ج ۳، ص ۱۷۲؛

60 ۔ رک؛ الفوائد المدنیہ، ص ۷۴، الفوائد الطوسیہ، ص ۳۲۴۔۳۲۵؛ مرآۃ العقول، ج۱، ص ۲۰۰، ۱۰۰، الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص ۳۵، بحار الانوار، ج ۸۵، ص ۴۱، ج ۸۶، ص ۲۲۲۔ ۲۲۳۔

61 ۔ اعیان الشیعہ، ج ۱۵، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴؛ سید محسن امین، تحقیق سید حسن امین، بیروت، دار التعارف، ۱۴۱۸ ھ، پنجم۔ طبقات اعلام الشیعہ، ج ۶، ص ۸۶۷؛ روضات الجنات، ج ۸، ص ۱۵۹۔

62 ۔ رک؛ الذریعۃ، ج ۳، ص ۵۰، ش ۱۲۳؛ ریاض العلماء، ج ۵، ص ۲۵۵، ۲۵۴۔

63۔الانوار النعمانیہ، ج۳، ص۱۳۳۔ سید نعمت اللہ جزائری، مقدمہ احمد علی قاضی طباطبائی، تبریز، بنی ہاشمی، ۱۳۸۲ھ۔

64 ۔ منبع الحیات، ج۳، ص۱۳۳، سید نعمت اللہ الجزائری، بیروت، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۱ھ۔ دوم

65 ۔ ان کے مزید نظریات کو جاننے کے لیے رک؛ الانوار النعمانیۃ، ج۳، ص۱۳۲؛ منبع الحیاۃ، ص۲۵۔۲۶۔۴۴۔۴۹؛ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار، ج۱، ص۴۱؛

66 ۔ ریاض العلماء، ج۵، ص۲۵۴، مرزا عبد اللہ افندی اصفہانی، تحقیق؛ سید احمد حسینی، قم، مطبعہ الخیام، ۱۴۰۱ھ۔ الذریعۃ، ج۲۲، ص۳۸، ش۴۲۴۷؛

67 ۔ امل الآمل، ج۲، ص۳۳۶؛ ریاض العلماء، ج۵، ص۲۵۶، ۲۵۳؛ الفوائد الرضویہ، ص۶۹۴؛ شیخ عباس قمی، تہران، کتاب خانہ مرکزی، ۱۳۲۷، شمسی۔

68 ۔ لؤلؤالبحرین، تحقیق محمد صادق بحر العلوم، ص۱۰۲؛

69 ۔ لؤلؤالبحرین، ص۹۸؛

70 ۔ روضات الجنات، ج۱، ص۳۲و ۱۲۷؛ طبقات اعلام الشیعہ، ج۶، ص۴۵۲و ۴۶۲؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج۲، ص۱۱؛ الذریعہ، ج۱۱، ص۲۱۰، ش۱۲۵۹؛

71 ۔ روضات الجنات، ج۸، ص۲۰۳، ش۷۵۰؛ لؤلؤالبحرین، ص۹۸، ۴۴۲؛ دانش نامہ جہان اسلام، ج۲، ص۳۱۴؛ اعیان الشیعہ، ج۱۵، ص۲۷۳۔

72 ۔ روضات الجنات، ج۸، ص۲۰۳؛ دائرۃ المعارف تشیع، ج۲، ص۱۱۔

73 ۔ تنقیح المقال فی علم الرجال، ج۳ ص۳۳۴، ش۳۳۱۵؛ عبداللہ مامقانی، تہران، جہان، ۱۳۵۱۔۱۳۵۲ھ۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۶۱؛ ادوار اجتہاد از دیدگاہ مذاہب اسلامی، ص۳۴۱۔

74 ۔ دانش نامہ جہان اسلام، ج۲، ص۳۱۵، زیر نظر: سید مصطفیٰ میر سلیم و غلامعلی حداد عادل، تہران؛ بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی، ۱۳۷۵ شمسی، دوم۔

75 ۔ لؤلؤالبحرین، ص۲۴۶، یوسف بحرانی، تحقیق، سید محمد صادق بحر العلوم، قم، مؤسسہ آل البیت، دوم۔

76 ۔ الحدائق الناضرۃ، ج۱، ص۲۷۔۱۲۵، و۵۱۔۵۵۔

77 ۔ الدرر النجفیہ، ج۲، ص۲۴۷، یوسف بحرانی، بیروت، شرکت دار المصطفیٰ لاحیاء التراث، ۱۴۲۳ھ، اول۔

78 ۔ روضات الجنات، ج۷، ص۱۲۷۔

79 ۔ مکارم الآثار، ج۳، ص۹۳۰؛ مرزا محمد علی معلم حبیب آبادی، اصفہان، کمال، ۱۳۶۲ شمسی، دوم۔ قصص العلماء، ص۱۸۰۔ مرزا محمد تنکابنی، شیراز؛ انتشارات علمیہ اسلامیہ؛ ۱۳۶۴، ش، دوم۔

80 ۔ روضات الجنات، ج۲، ص۲۰۲، ش۱۷۴۔

81 ۔ قصص العلماء، ص۱۷۸۔۱۸۰؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۵۸، دائرۃ المعارف تشیع، ج۲، ص۶۔۷، روضات الجنات، ج۲، ص۲۰۲، ش۱۷۴۔

82 ۔ روضات الجنات، ج۷، ص۱۳۸، ش۶۳۱؛ موسوعۃ طبقات الفقہاء، ج۱۳، ص۶۱۵؛

83 ۔ الذریعہ، ج۸، ص۲۷۶، ج۱۵، ص۱۲۹، ج۱۶، ص۳۴۴، ۳۳۶، ج۱۸، ص۷۰؛ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۵۸؛

84 ۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ج۷، ص۱۵۸؛ زیر نظر: کاظم موسوی بجنوردی، تہران، مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۴، شمسی، دوم۔ روضات الجنات، ج۷، ص۱۲۷؛

85 ۔ مرزا اخباری کی کتب اور تالیفات کے بارے میں مزید جاننے کے لیے رک: روضات الجنات، ج۷، ص۱۲۷؛ مکارم الآثار، ج۳، ص۹۳۸۔۹۳۷۔۹۳۹؛ دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعیۃ، ج۲، ص۲۲۴؛ الذریعۃ، ج۱۴، ص۲۲۱، ش۲۲۸۵، ج۶، ص۳۹۳، ش۲۴۴۱، ج۸، ص۲۶۳، ش۱۱۱۲؛ ج۱۷، ص۳۵، ش۱۹۵، ج۲، ص۳۸۹۔۳۹۰؛ ج۱۷، ص۱۶۷، ش۹۷، ج۲۱، ص۲۰۷، ش۴۶۴۲؛ ج۸، ص۲۶۷، ش۱۱۳۲، ج۱۵، ص۱۰۴، ش۶۹۔ ج۱۶، ص۶۰، ش۲۹۷۔

راوی کی توثیق کے طریقے

آفتاب حسین جوادی*

کلیدی کلمات: توثیق خاصہ , توثیق عامہ، ثقہ، مشیخۃ، اجازت، تخریج، اصحاب اجماع۔

خلاصہ:

کسی راوی کی توثیق کی دو طرح سے کی جاتی ہے، ایک کو توثیق خاصہ اور دوسری کو توثیق عامہ کہتے ہیں۔ توثیق خاصہ یعنی: جب کسی معین شخص کے حق میں توثیق وارد ہو جیسا کہ کتب رجال میں ایک معین شخص کے بارے میں توثیق پائی جاتی ہے۔ یہ کئی طریقوں سے ثابت کی جاسکتی ہے۔ پہلا طریقہ: نص معصومؑ ہے جس مراد بارہ ائمہ علیہم السلام میں سے کوئی امام کسی شخص پر نص فرمادے کہ فلان ثقہ ہے۔ دوسرا طریقہ، علمائے متقدمین میں سے کسی ایک کا توثیق کرنا ہے۔ تیسرا طریقہ، متأخر علماء میں سے کسی ایک کا راوی کے متعلق رائے دینا ہے۔ توثیقات عامہ سے مراد بعنوان کلی توثیق ہے جو متعدد افراد کو شامل ہوتی ہے اور جو ایک خاص ضابطے اور معین عنوان کے تحت ایک جماعت کی توثیق ہے۔

اس کی بھی کئی صورتیں ہیں، پہلی صورت: نبی ﷺ اور امامؑ کی صحبت۔ کیا امامؑ کی طرف سے وکالت راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل بن سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا "اجازت" کی شیخوخت (بڑائی، بزرگی) ثقہ ہونے کی علامت ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں مقالہ نگار کی رائے یہ ہے کہ اجازت کی تین اقسام ہیں اور ان تینوں اقسام میں سے کسی قسم کی اجازت بھی راوی کی وثاقت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ مقالہ نگار نے مقالہ کے آخر میں واضح کیا ہے کہ آیا کسی راوی سے دیگر راویوں کی کثرت تخریج، یا امام سے کثرت سے روایت کرنا یا اصحاب اجماع میں شامل ہونا، ایک راوی کی وثاقت کا موجب بن سکتا ہے یا نہیں۔

*۔ محقق و استاد حدیث جامعۃ الکوثر، اسلام آباد۔

کسی راوی الحدیث کی توثیق کی دو طرح سے کی جاتی ہے۔ایک کو توثیق خاصہ کہتے ہیں اور دوسری کو توثیق عامہ۔ذیل میں ان دونوں کی قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

ا۔توثیق خاصہ

کسی معین شخص کے حق میں توثیق وارد ہو جیسا کہ کتب رجال میں ایک معین شخص کے بارے میں توثیق پائی جاتی ہے۔ یہ کئی طریقوں سے ثابت کی جاسکتی ہے۔

پہلا طریقہ: نص معصومؑ

بارہ ائمہ علیہم السلام میں سے کوئی امام کسی شخص پر نص فرمادے کہ فلان ثقہ ہے اور اس طرح اس کی وثاقت ثابت ہونے کے طریقے بیان فرمادیں۔ مثال کے طور پر علامہ کشیؒ نے صحیح سند سے جناب علی بن مسیب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ میرا راستہ دور کا ہے میں، ہر وقت آپ کے پاس آ جا نہیں سکتا۔ تب میں اپنے دینی مسائل کس سے حاصل کروں؟ تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: ''من زکریا بن آدم القمی المامون علیٰ الدین والدنیا''۔زکریا بن آدم قمی سے، جو دین اور دنیا میں قابل اعتماد محفوظ شخص ہے۔(1) اسی طرح جناب ابان بن تغلبؒ ابو سعید کندی کوفی متوفی ۱۴۱ھ کی توثیق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ثابت ہے، چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اجلس فی مسجد المدینة وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعتی مثلك۔''

یعنی: "مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو شرعی مسائل بیان کیا کرو، میں پسند کرتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تم جیسے (علماء) دیکھے جائیں۔"(2)

بالکل اسی سے ملتے جلتے حدیث کے الفاظ امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔علاوہ ازیں سلیم بن ابی حیہؓ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ائت ابان بن تغلب فانه قد سمع منی حدیثا کثیرا فما روی لك فاروه عنی۔''

ابان بن تغلب کی خدمت میں جاؤ، انہوں نے مجھ سے زیادہ احادیث سماعت کی ہیں جو حدیث وہ تم سے بیان کریں اسے میرے نام سے روایت کرنا(3)

ابان بن تغلب کی وثاقت وصداقت کا اعتراف سنی علماء رجال نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اول، صفحہ ۵ طبع دار احیاء الکتب العربیہ مصر میں انہیں "صدوق" اور اپنی دوسری کتاب "العبر فی خبر من غبر جلد اول ص ۱۹۲ بذیل "سنة اوری واربعین وسائة" مطبوعہ مطبعۃ حکومۃ الکویت، طبع اول ۱۹۶۰ء میں لکھا ہے:

"ابان بن تغلب الکوفی القاری المشهور وکان من ثقات الشیعة۔"

"ابان بن تغلبؒ کوفی مشہور قاری (قرآن) اور شیعہ ثقات میں سے ہیں۔"

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن سعد صاحب الطبقات الکبری، حافظ ابن عدی اور ابن حبان نے بھی انہیں "ثقہ" کہا ہے۔ البتہ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ توثیق صحیح سند یا صحیح شواہد سے ثابت ہو۔ اس پر دو امر مرتب ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ، اگر کوئی راوی کسی امام معصومؑ سے خود اپنی توثیق کے بارے میں روایت کر رہا ہو، اس سے استدلال ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی راوی کی توثیق کا ثبوت اس کے اپنے الفاظ میں ہی واضح "دور" کو مستلزم ہے، حالانکہ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ جب راوی خود ہی اپنی توثیق نقل کرنے والا ہو تو اس سے بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ خود ہی اپنی خوبیاں اور فضائل اسلامی معاشرے میں بیان کرنے کا ذمہ دار ہے۔ **دوسرا یہ** کہ، ضعیف روایت سے بھی راوی کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس بناپر کہ جب روایت ہی قابل اعتماد نہیں ہے، تب اس سے راوی کی توثیق کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

دوسرا طریقہ

توثیق متقدمین: متقدمین کے بڑے علماء میں سے کسی ایک کا توثیق کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قدماء میں سے بزرگ علماء میں سے کسی ایک نے راوی کو ثقہ کیا ہو۔ مثلاً علامہ برقیؒ، علامہ کشیؒ، ابن قولویہؒ، شیخ صدوقؒ، شیخ مفیدؒ، شیخ طوسیؒ، شیخ نجاشیؒ اور ان جیسے دیگر متقدمین بزرگ علماء، لیکن ان بزرگ متقدمین میں سے کسی ایک کی توثیق، اس ثقہ راوی کے قول کی احکام اور دیگر موضوعات میں حجیت پر مبنی ہے۔ اس طرح ثقہ راوی کا قول، احکام میں ہی قابل اعتماد ہوتا ہے، کسی دوسرے بارے میں قابل وثوق ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح موضوعات میں قابل وثوق ہے، اصولی

ابحاث میں ثقہ راوی کی خبر کی حجیت احکام اور دیگر موضوعات دونوں کو شامل ہے ،البتہ اگر کوئی دلیل شرعی دلالت کررہی ہو تب دوسرے امور میں بھی حجیت ہوگی ، جیسا کہ مرافقات (اپیلوں میں) جہاں شہادت کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاتا ،وہاں جھگڑوں کو مٹانے کے لئے رویت ہلال وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ایسی روایات بھی وارد ہوئی ہیں کہ جن سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ثقہ راوی کا قول موضوعات میں بھی حجت ہوتا ہے۔

حکم اور موضوع میں ثقہ راوی کے قول کی حجیت کے نظریہ کے تحت یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ متقدمین علماء کا کسی راوی کے ثقہ اور نیک ہونے کی خبر دینا شاہد فراست، اجتہاد اور سوچ کو کام میں لانے کے نتیجے میں ہو۔ چنانچہ ثقہ راوی کی خبر کی حجیت کے دلائل اس کو شامل نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو صرف ''حس'' سے خبر دینے کو شامل ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جب کوئی ثقہ شخص ''حسی '' طور پر خبر پر خبر دے تو وہ خاص اسی محسوس امر کے بارے میں ہوتا ہے، جبکہ فراست کی بنیاد پر کی گئی بات ایسی نہیں ہوتی۔ حالانکہ توثیق اور جرح میں علماء رجال کا دارومدار حسی امور پر تھا نہ کہ عقلی امور پر اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ نجاشیؒ بعض اوقات دوسرے علماء کے اقوال کا حوالہ دیتے ہیں اور اسی طرح کے دیگر مواقع پر بھی ان کا معمول یہی ہے۔ جو چیز واضح کرتی ہے کہ ''متقدمین علماء توثیق وتضعیف میں حسی امور پر اعتماد کرتے تھے نہ کہ عقلی امور پر '' وہ شیخ طوسیؒ کا کتاب ''عدۃ الاصول'' کے آخری فصل میں یہ قول ہے جو انہوں نے خبر واحد کی حجیت کے بیان میں لکھا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

''انا وجدنا الطائفة ميّزت الرجال الناقلة لهذه الاخبار ووثّقت الثقات منهم وضعّفت الضعفاء وفرّقوابين من يعتمد علىٰ حديثه وروايته ومن لايعتمد علىٰ خبره ومدّحوالممدوح منهم وذمّوا المذموم وقالوا فلان منهم فى حديثه وفلان كذاب وفلان مخلّط ۔۔۔ وغيرذلك من الطّعُون التى ذكُروها وضنّفوافى ذلك الكتب واستثنو الرجال من جملة ماروووه من التصانيف فى فهار ستهم حتى ان واحداً منهم اذا انك حديثا نظرفى اسنادہ وضعفه بروايته هذه عادتهم علىٰ قديم الوقت وحديثه لاتنحزم۔''

یعنی: ''ہم نے علماء کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ان روایات کے ناقلین کو ممیّز کیا ہے ان میں سے ثقات کی توثیق کی ہے اور ضعفاء کی تضعیف کی ہے، جن کی حدیث اور روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور جن کی حدیث اور روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ان میں فرق کیا ہے جو قابل مدح ہے اس کی مدح کی ہے اور جو قابل مذمت ہے اس کی مذمت کی ہے اسی دوران میں انہوں نے کہا کہ فلاں اپنی حدیث میں متہم ہے، فلاں کذاب ہے، فلاں مخلّط ہے، فلاں مذہب واعتقاد میں مخالف ہے، فلاں واقفی ہے، فلاں فطحی ہے۔ اسی طرح کے دیگر طعن ہیں جو ان علماء نے ذکر کئے ہیں اس فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی فہارس میں جتنی بھی تصانیف ہیں ان میں بہت سے رجال کو مستثنیٰ کیا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے جب کسی حدیث کو عجیب وغریب پایا تو اس کی اسناد میں دیکھا اور اس روایت کو اس کے راویوں کی بنیاد پر ضعیف قرار دیا۔ قدیم زمانے سے لے کر آج تک ان کا یہی معمول اور عادت ہے جو نہ ختم ہونے والی ہے۔ (4)

تصریحات بالا سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ راوی کی توثیق وتضعیف اور مدح وقدح ان امور میں سے ہیں جو علماء رجال میں رائج وشائع اور معروف رہی ہیں اور وہ اس فن میں اپنی لکھی گئی کتب میں باقاعدہ طور پر رائے ظاہر کیا کرتے تھے۔''

تیسرا طریقہ؛توثیق متاخرین:

متاخر علماء میں سے کسی ایک کا راوی کے متعلق رائے زنی کرنا۔ اس سے مراد وہ علماء رجال جو راویوں کے ہم عصر نہ ہوں اور نہ ہی ان کے قریب العہد ہوں۔ مثال کے طور پر سید ابن طاؤس، ابن شہر آشوب، شیخ تقی مجلسی اور علامہ باقر مجلسی رحمہم اللہ تعالیٰ علماء کے وہ اقوال جس سے راوی کا قابل اعتماد ہونا یا اس کے احوال کی خوبی ظاہر ہوتی ہو۔ وہ علماء متاخرین میں سے کسی کا شیخ طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرکے رائے کا اظہار کرنا ہے، البتہ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو ''حِسّ'' ہے اور دوسری قسم ''عقل'' جو شیخ منتخب الدین رحمہ اللہ متوفی ۵۸۵ھ، ابن شہر آشوب رحمہ اللہ، متوفی ۵۷۷ھ صاحب ''معالم العلماء'' اور ان کے علاوہ دیگر علماء کی توثیقات میں مذکور ہے۔ یہ علماء کرام راویوں کے زمانے اور ان سے پہلے زمانے میں کتب رجال کی دستیابی کے زمانے سے قریب ہونے

کی بناء پر توثیق اور تضعیف میں سماع یا معروف کتاب میں توثیق یا تضعیف پائے جانے یا کثرت نقل اور شہرت پر اعتماد کرتے تھے۔ ان سے کمتر اعتماد کے لحاظ سے وہ آراء جو علامہ ابن داؤد حلی رحمہ اللہ نے اپنی ''رجال'' کی کتاب میں نقل کی ہیں۔ اسی طرح علامہ حلی رحمہ اللہ نے'' خلاصتہ الاقوال'' میں بعض علماء رجال کے اقوال درج کئے ہیں۔

دوسری قسم وہ توثیقات ہیں جو ان سے متاخرین علماء کی کتب میں وارد ہوئی ہیں مثلاً مرزا استر آبادی، سید مصطفیٰ تفریشی اردبیلی، قہبائی، مجلسی، محقق بہبانی رحمہم اللہ تعالیٰ اور اس صنف کے دیگر علماء کی توثیقات عقلی واجتہادی بنیادوں پر ہیں۔ جیسا کہ ان کی کتب سے واضح ہورہا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ کسی ماہر رجال کے قول کی حجیت شہادت کے زمرے میں آتی ہے تو تب متاخرین کی توثیقات معتبر نہیں ہیں۔ اس لئے کہیں کہ ان کی راویوں کے بارے میں آراء اجتہاد اور عقل کی بنیاد پر ہیں اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ گواہی کی قبولیت میں اس امر کو مد نظر رکھا جاتا ہے کہ وہ ''حس'' کی طرف منسوب ہو نہ کہ ظن و تخمین کی طرف۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شہادت کے باب میں یہ حدیث وارد ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد نے فرمایا:

''لا تشهدنّ بشهادة حتى تعرفها كما تعرف كفك''۔

یعنی: "تم ہر گز کوئی گواہی نہ دو حتیٰ کہ اس امر کو اس طرح پہچان لو جس طرح اپنی ہتھیلی کو پہچانتے ہو۔"

متاخرین کی توثیقات کی طرف رجوع کی تصحیح:

جب یہ معلوم ہوگیا کہ کسی ماہر رجال کے قول کی طرف رجوع گواہی کے باب سے تعلق رکھتا ہے تو پھر متاخرین کی توثیقات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ گواہی کے صحیح اور نافذ ہونے میں اس کا حس کی طرف منسوب ہونا شرط ہے، جبکہ یہ شرط ان کی توثیقات میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ دو طرح سے ان کی توثیقات کی طرف رجوع کو درست قرار دیا جاسکتا ہے۔

اولاً: کسی رجالی کے قول کی طرف رجوع ماہرین فن کی جانب رجوع کی اقسام میں سے شمار کیا جا سکتا ہو۔ ماہرین فن کے اقوال پر اعتماد میں یہ شرط نہیں کہ ان کی رائے محسوس ٹھوس بنیادوں پر ہے۔

کسی ماہر فن کا قول حجت ہوتا ہے خواہ حسی امور کی طرف منسوب ہو، جو بیشتر ہوتا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ معالج کا قول مریض کے حق میں حجت ہوتا ہے، اگر ڈاکٹر، مریض کو حکم دے کہ پانی استعمال نہیں کرنا تو شرعی نقطہ نظر سے مریض وضو کے وقت پانی استعمال نہیں کر سکتا، بجائے پانے کے تیمّم واجب ہوگا یا ڈاکٹر یہ کہے کہ روزہ مریض کی صحت کے لئے مضر ہے، تو اس روزہ دار پر افطار واجب ہے۔اسی قسم میں سے اموال میں نقصان ہونے کا اندازہ لگانا بھی ہے۔

فوجداری جرائم بھی اسی قسم سے ہیں ان کی حد بندی کرنا بھی ماہرین فن کے سپرد ہوگی ہے۔ حالانکہ ان کی رائے محسوس دلائل پر مبنی نہیں ہوتی۔ چنانچہ رجال کا علم رکھنے والا ماہر شخص راویوں کی معرفت میں توثیق اور تضعیف کے لحاظ سے ماہر فن ہوتا ہے اگرچہ اس کی رائے ایسے قرائن اور شواہد پر مبنی ہو جو اپنے مقام پر اطمینان و تسلی کا فائدہ دیتے ہیں۔ یہ وجہ ان لوگوں کو فائدہ دیتی ہے جو ماہرین رجال کی رائے کی حجیت کے اس لحاظ سے قائل ہیں کہ وہ ماہرین فن ہیں، ثانیا یہ کہ ایسی خبر کی حجیت جس کے صادر ہونے پر یقین ہو۔ خبر واحد کی حجیت پر واحد دلیل حضرات معصومین علیہم السلام کے زمانے میں عقلاء کا خبر واحد پر عمل سے راضی رہنا ہی اُن کا مسلسل طریقہ کار یہ رہا ہے، لیکن اصل کلام، حجیت کے موضوع میں ہے اس میں دو آراء ہیں۔

الف: دراصل ثقہ راوی کی ہی روایت قابل قبول ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ ثقہ ہے اگرچہ روایت کے صادر ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔ اگر موضوع یہ ہو تب مقدمہ صغریٰ کے اثبات کے لئے متاخرین کی توثیقات کی طرف رجوع فائدہ نہیں دیتا ہے کہ مخبر ثقہ ہے، اس لئے کہ گواہی کے وقت انہوں نے حسی امور پر اعتماد نہیں کیا۔

ب: یہ کہ حجیت کے لئے موضوع وہ خبر ہے کہ جس کے صادر ہونے کا یقین ہے خواہ راوی ثقہ ہو یا نہ ہو۔ نیز یہ کہ عمل ثقہ کی خبر پر ہے، اس لئے کہ یہ روایت (خبر) کے صادر ہونے کا فائدہ دیتی ہے اگر حجیت کا تمام سرمایہ اتنا ہو، تب ان متاخرین علماء کی توثیقات کی طرف رجوع کرنا جو جرح اور تعدیل میں قرائن امارات پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس خبر کے صادر ہونے کا یقین دلاتی ہوں۔ پس ان کے اقوال اور کلام کی طرف رجوع غیر مفید عمل نہیں ہوگا۔

روایت کے صادر ہونے پر یقین کے طریقے

جس طرح متاخرین کی توثیقات کسی روایت کے صادر ہونے کے بارے میں علم حاصل ہونے کے طریقوں میں سے ہے، لیکن اس سلسلے میں کچھ دیگر امور بھی ہیں کہ جن کا براہ راست خیال رکھنا، استنباط کرنے والوں پر واجب ہے۔ کیونکہ یہ ان امور میں سے ہیں کہ جن کے ذریعے روایت پر اعتماد یا عدم اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

الف: یہ کہ راوی کا طبقہ، اس کا زمانہ، اس کے اساتذہ اور اس کے شاگردوں کو پہچانے تاکہ راویوں کے مشترک ناموں کی تمیز حاصل کرے اور اُنہیں ایک دوسرے سے الگ کرے۔

ب: یہ ہے کہ راوی کی روایات پر اطلاع کے ساتھ ساتھ روایت کے نقل میں ضبط واتقان کے درجے اور مقام کو پہچانے۔

ج: یہ کہ کثرت اور قلّت کے لحاظ سے راوی کی روایات کی تعداد کو پہنچانے۔ اس لئے کہ اس کی پہچان نقل حدیث میں راوی کی قدر و منزلت کو متعین کرتی ہے۔

د: راوی کے علم و فضل کی مقدار کو پہچانے۔

مندرجہ بالا چار امور صغریٰ کو یقینی بنادیتے ہیں کہ خبر (روایت) یقیناً صادر ہوئی ہے اس سلسلے میں کتب رجال کی طرف رجوع اس مقصد کو حاصل کرنے کا امکانی ذریعہ بن سکتا ہے۔

توثیقات عامہ

توثیقات عامہ سے مراد بعنوان کلی توثیق ہے جو متعدد افراد کو شامل ہوتی ہے اور جو ایک خاص ضابطے اور معین عنوان کے تحت ایک جماعت کی توثیق ہے۔ یہ توثیق کئی طرح کی ہوتی ہے۔

پہلی صورت: نبی ﷺ اور امامؑ کی صحبت

نبی اکرم ﷺ کے صحابہؓ کی عدالت اور ہر برائی سے پاکیزگی، ان اصولوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ اہل سنت میں سے اہل حدیث اور اشاعرہ اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ عقیدہ ان میں اس حد تک رائج ہوا کہ ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ نے اسے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا ہے جن پر تمام اہل سنت کے مذہب کی بنیاد ہے، لیکن تمام صحابہ کی عدالت کا ضابطہ ثابت کرنا نہایت دشوار ہے

اس لئے کہ قرآن حکیم میں صحابہ کی دو قسمیں مذکور ہیں: ایک صنف وہ ہے جس کی قرآن مجید مدح کرتا ہے اور ان کے اوصاف مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کرتا ہے:

۱۔ ''وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ'' (سورہ توبہ آیت ۱۰۰)

۲۔ ''لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ'' (سورہ فتح آیت ۱۸)

۳۔ ''لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ'' (سورہ حشر آیت ۸)

۴۔ ''اصحاب الفتح'' (سورہ فتح آیت ۲۹)

ایک دوسری صنف وہ ہے جن کی قرآن مجید میں مذمت آئی ہے اور مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ان کے مذموم بیان ہوئے۔

۱۔ کھلے منافق (سورہ منافقون آیت ۱)

۲۔ چھپے ہوئے منافق (سورہ توبہ آیت ۱۰۱)

۳۔ دلوں کے مریض (سورہ احزاب آیت ۱۲)

۴۔ منافقین کے لئے جاسوسی کرنے والے (سورہ توبہ آیت ۴۷)

۵۔ ارتداد کی جانب میلان رکھنے والے (سورہ آل عمران آیت ۱۵۴)

۶۔ فاسق (سورہ حجرات آیت ۶)

۷۔ ایسے مسلمان جو مومنین نہ تھے (سورہ حجرات آیت ۱۴)

۸۔ مؤلفۃ القلوب (سورہ توبہ آیت ۶۰)

۹۔ کفار سے مقابلے کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے (سورہ انفال آیت ۱۶)

جب رسول ﷺ کے صحابہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق دو قسم کے ہیں تو ہمارے لئے کیسے ممکن ہے کہ ہم سب کو عادل شمار کریں؟ جب ہم سنت کی طرف رجوع کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ان کی پہچان اس طرح کراتے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم نے صحیح سند کے ساتھ رسول

اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''میرے اصحاب میں سے ایک جماعت قیامت کے دن میرے پاس آئے گی لیکن وہ حوض (کوثر) سے روک دیئے جائیں گے، میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ میرے اصحاب ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا ''افھم لم یزالوا ارتدین علیٰ عقابھم'' یہ الٹے پھر کر ہمیشہ کے لئے مرتد گئے۔'' (5)

اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں کہ جو واضح الفاظ میں بتاتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد صحابہ کی ایک جماعت مرتد ہو گئی تھی۔ پس صحابی وہ ہے جس نے نور دیکھا اور نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور آپ کی وفات کے بعد ان صحابہ کے حالات وواقعات کی تلاش کریں تاکہ ان میں سے کسی کا قابل اعتماد ہونا ثابت ہوا تو ہم اس کی روایت لیں گے ورنہ اس کا حال تابعین اور تبع تابعین کی مانند ہوگا، جس کا ثقہ ہونا ثابت نہ ہوا، اس کی روایت و قول پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔

یہی اصول، ائمہ معصومین علیہم السلام کے صحابہ کے بارے میں بھی لاگو ہوگا۔ محض صحبت، مصاحب کے قابل اعتماد ہونے کو لازم نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں بڑے واضح الفاظ میں موجود ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مصاحبت ان دونوں کے حال کے لئے نفع بخش نہ ہوئی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں مخاطب کیا: ''قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخلین'' کہا گیا کہ داخل ہو جاؤ دونوں دوزخ میں، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ (6)

وکالت عن الامامؑ

امام علیہ السلام کی طرف سے وکالت کیا راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل بن سکتی ہے تو اس سلسلے میں اس امر پر اصول کافی کی حسب ذیل روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ شیخ کلینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علی بن محمد، حسن بن عبدالحمید سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

''شَکَکْتُ فِی اَمْرِ حَاجِزٍ فَجَمَعْتُ شَیْئًا ثم صِرْتُ اِلیٰ الْعسکَرِ فَخَرَجَ اِلَیَّ: لَیْسَ فِیْنَا شَکٌّ، وَلَا فِیْمَنْ یَقُوْمُ مَقَامَنَا بِاَمْرِنَا رُدَّ مَا مَعَکَ اِلیٰ حَاجِزِبْنِ یزیدَ۔''

یعنی: ''میں نے حاجز کے بارے میں شک کیا، میں نے کچھ سامان جمع کیا، پھر میں عسکر پہنچا، امام علیہ السلام میری طرف تشریف لائے اور فرمایا ہم میں کوئی شک نہیں، نہ اس

شخص میں جو ہمارا قائم مقام ہو، ہمارے حکم سے، جو کچھ تیرے پاس ہے وہ واپس حاجز بن یزید کے پاس لے جاؤ۔" (7)

جن نکات کے ذریعے اس روایت کے ساتھ استدلال کیا جاسکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

اولاً: روایت مدعا سے زیادہ خاص ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مراد وہ معروف وکلاء ہیں جو ائمہ علیہم السلام کے حکم سے اُن کے قائم مقام تھے، یہ وکالت اس سے علیحدہ ہے کہ کوئی شخص امام کا اُن کے سامان جائیداد یا کسی اور معاملے میں وکیل ہو۔

ثانیاً: وکالت کو کس طرح علی الاطلاق توثیق کے اسباب میں سے شمار کیا جاسکتا ہے، باوجویکہ بعض وکلاء مثلاً علی بن حمزہ بطائنی: زیاد بن مروان القندی، عثمان بن عیسی رؤاسی نے دنیا کی طمع کی اور اس کے مال ومتاع کی جانب مائل ہوئے اور بہت سے دیگر لوگوں کو بھی مائل کیا، اور جن اموال میں خیانت کی تھی، اس میں سے ان پر بھی خرچ کیا، ابن ابی حمزہ کے پاس تیس ہزار دنیار تھے، زیاد قندی کے پاس ستر ہزار دنیار تھے۔ ہاں! جب کوئی شخص کئی سال تک امامؑ کی طرف سے وکیل ہو، اور اس کی مذمت بھی وارد نہ ہوئی ہو، ممکن ہے کہ یہ وکالت اس کے ثقہ ہونے اور ثابت قدمی کا قرینہ ہو، اس لئے کہ یہ بعید ہے کہ کوئی جھوٹا شخص امامؑ کی طرف سے کئی سال تک وکیل رہے، اور اس کا جھوٹ امام پر ظاہر نہ ہو اور وہ اُسے معزول نہ کریں۔

اجازت کی شیخوخت

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا "اجازت" کی شیخوخت (بڑائی، بزرگی) ثقہ ہونے کی علامت ہے؟ مشایخِ اجازہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے شاگردوں کو اپنی کتابوں سے روایت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اسی طرح دوسروں کی کتب کو اُن کے طریقے سے روایت کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ کیا کسی ثقہ شخص کا اُن میں سے کسی ایک سے اجازہِ روایت طلب کرنا، اجازت دینے والے کے ثقہ ہونے کی نشانی ہے یا نہیں؟

مثلاً شیخ صدوقؒ اور شیخ طوسیؒ، ائمہؑ کے ادوار میں بہت سے مصنفات اور اصول سے روایت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے مشایخ سے ان کتب کی اجازت لی ہوئی تھی۔ تو کیا ان دو بڑے علماء کا اجازت لینا یا ان کے علاوہ اور علماء کا اجازت لینا ان مشایخ سے، ان مشایخ اور اصحاب کتب کی توثیق پر

مطلقاً دلیل بن سکتا ہے؟ یا اجازت لینے والے کے نزدیک بالخصوص، وہ ثقہ ثابت ہوں گے؟ یا ان میں سے کسی چیز پر دلیل نہیں بن سکتا؟

اس مقام پر کلام اس امر پر مبنی ہے کہ کسی ثقہ شخص کا کسی دوسرے شخص سے روایت کرنا، جس سے روایت کی گئی ہو، راوی کے نزدیک اس کے ثقہ ہونے کی دلیل شمار نہیں ہوگا۔ اور اگر ہم اسی بنیاد پر ثقہ شخص کا اجازت لینا اس کی اپنی روایت کی طرح، اجازت دینے والے اور جس سے روایت کی گئی ہے، دونوں کے ثقہ ہونے کی حسب ذیل دو صورتیں ہیں:

اجازت طلب کرنے کی صورتیں

اجازت طلب کرنے کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ شیخ کی طرف سے اپنی کتاب کی اجازت

جب اجازت دینے والے نے اپنی کتاب کی، ان کو اپنی طرف سے روایت کرنے کی اجازت دی ہو، تب ثقہ شخص کی طرف سے اجازت طلب کرنا، اجازت دینے والے کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، بلکہ اس پر بھی وہی شرائط لاگو ہوں گی، جو تمام راویوں سے متعلق وثاقت اور ضبط کی شرائط لاگو ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ کسی ثقہ شخص کا کسی سے اجازت طلب کرنا، خود اس سے روایت کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ جس طرح ثقہ کا روایت کرنا مروی عنہ کے ثقہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اجازت طلب کرنا بھی مروی عنہ کے ثقہ ہونے پر دلالت نہیں کرے گا۔

۲۔ کتاب روایت کرنے کی اجازت، جس کتاب کا انتساب اپنے مؤلف کی طرف ثابت ہو

جب اجازت دینے والے شیخ نے اجازت دی ہو، ایسی کتاب کی روایت کی جو کسی دوسرے کی تالیف ہو اور اس کتاب کی نسبت اس کے مصنف کی طرف مشہور اور ثابت ہو اور اجازت لینے کا مقصد محض اتصال سند، حکایت کی صحت، یہ کہنے کا امکان وجواز ''حدثنا'' حتیٰ کہ سند امامؑ تک پہنچ جائے، جس میں یہ علم حاصل کرنا بھی مقصد نہ ہو کہ کتاب کی نسبت اس مصنف سے ہے، اس لئے کہ اس کتاب کی نسبت کے بارے میں پہلے ہی فرض کر لیا گیا ہے کہ وہ اس کے اصل مصنف کی طرف ہے جو روز روشن کی طرح واضح ہے۔

یہ اس طرح کی اجازت ہے جو مشایخ اکابر اپنے شاگردوں کو دیتے ہیں کہ اُن سے روایت کرلیں۔ محدون ثلاثہ (مصنفین کتب اربعہ) کی کتب کو ان کی طرف سے، اس لئے کہ مقصد، کتاب کی اس کے مصنف کی طرف نسبت کا علم حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ لفظ "حَدَّثَنا" کے ساتھ اتصال سند اور نقل حدیث کا امکان ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ سند معصوم تک منتہی ہو، اس طرح کی اجازت ، طلبی اجازت دینے والے کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

ظاہر ہے کہ "من لایحضرہ الفقیہ" میں شیخ صدوقؒ کے مشایخ اسی قسم سے ہیں، اس لئے کہ صدوقؒ نے سند کا ابتدائی حصہ حذف کردیا ہے اور سند کی ابتداء اس شخص کے نام سے کی ہے، جس کی اصل یا کتاب سے انہوں نے حدیث لی ہے حتیٰ کہ سند امام تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر کتاب کے آخر میں "مشیخۃ" وضع کیا ہے۔ جس میں اپنے اس طریقے کا ذکر کیا ہے کہ جس کی کتاب سے حدیث اخذ کی ہے۔ "من لایحضرہ الفقیہ" کے مقدمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتب جن سے حدیث لی گئی ہے۔ وہ مشہور کتب ہیں، جن پر عمل کیا جاتا تھا اور وہی کتب مرجع الخلائق تھیں۔ جو کچھ انہوں نے "مشیخت" میں ذکر کیا ہے وہ اتصال سند کے حصول کے لئے کیا ہے نہ کہ اس کتاب کی اس کے مؤلف کی طرف نسبت کی تصحیح کے لئے۔ اس لحاظ سے شیخ صدوق کا اجازت طلب کرنا ان مشایخ کی توثیق پر دلالت نہیں کرتا، جن کے نام انہوں نے "مشیخۃ" میں ذکر کئے ہیں۔

۳۔جب کسی شخص نے کسی کتاب کی روایت کی اجازت دی تو اس کی نسبت اس کے مؤلف (اجازت لینے والے) کے لئے ثابت نہیں ہوگی۔

جب کسی کتاب کی روایت کرنے کی اجازت دی تو اس کی نسبت اس کے مؤلف کی جانب ثابت نہیں ہوگی، مگر اجازت دینے والے شیخ کے واسطے سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اجازت دینے والے شیخ کی توثیق اجازت لینے والے کے نزدیک شرط ہے، اگر ثقہ ہونا شرط نہ ہو تو اس کتاب کی نسبت اس مؤلف کی جانب ثابت ہی نہ ہوسکے، اس توثیق کے سوا کتاب اور جو سند اس کتاب میں ہے، اس کا متن ثابت نہیں ہوسکتے، اور یہ اجازت دینا ایک لغو امر قرار پائے گا۔

خلاصہ یہ کہ ان کتب کے مؤلفین تک سند کا ذکر کرنے سے اس اجازت لینے اور مدد طلب کرنے کی قسم کا بلند ترین ہدف، ان کتب کا ان کے مؤلفین اور مصنفین کی جانب ان کی نسبت ثابت کرنا ہے۔

یہ ہدف اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک اجازت دینے والے شیوخ یکے بعد دیگرے ثقات نہ ہوں، ان کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہو، اگر اجازت لینے والے کے نزدیک شیخ (مجیز) ثقہ نہ ہو تو اس تک سند متصل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

کیا ثقہ راویوں کی کسی شخص سے کثرت تخریج، ثقہ ہونے کی علامت ہے؟

جب بہت سے ثقہ راویوں نے ایک شخص سے روایت لی ہو، کیا یہ نوع تخریج، اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جس سے روایت کی گئی ہے وہ شخص ثقہ ہے؟ اس سے پہلے کہ مختار قول کی جانب اشارہ کریں، ہم دو امور پر روشنی ڈالتے ہیں:

اولاً: محض ثقہ شخص کا کسی سے روایت لینا مروی عنہ کی توثیق پر دلالت نہیں کرتا، اس لئے کہ ثقات کی طرف سے غیر ثقات سے روایت لینا عام معمول ہے۔ اس لئے کہ نقل کرنے کا مقصد حجت قائم کرنا اور عمل کرنا ہی نہیں ہوتا، کہ یہ کہا جائے: غیر ثقہ سے احتجاج ہی نہیں کیا جاسکتا تو انہوں نے غیر ثقات سے کیوں روایات نقل کیں، بلکہ بعض اوقات یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ تمام احادیث جمع کر دی جائیں، جن کا مضمون ایک ہو، اس میں ضعیف راوی سے بھی روایت لی جاسکتی ہے، اسی سبب سے ثقات ضعیف راویوں سے بھی روایت لیتے تھے۔

ثانیاً: پہلے وقتوں میں مشائخ حدیث کے نزدیک ضعیف راویوں سے کثرت سے نقل کرنا قابل اعتراض سمجھا جاتا تھا، اور یہ عمل ثقہ راویوں پر طعن کے اسباب میں سے شمار کیا جاتا تھا، اسی لئے قمی علماء کے قائد احمد بن محمد بن عیسیٰ (متوفی در حدود ۲۸۰ھ) نے اپنے معاصر احمد بن محمد بن خالد البرقی (متوفی ۲۷۴ھ) کو قم سے جلاوطن کر دیا تھا، اس لئے کہ وہ ضعفاء سے کثرت کے ساتھ روایت نقل کرتے تھے۔

علامہ نے برقی کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے ضعفاء سے کثرت سے روایات لیں اور مراسیل پر اعتماد کیا۔ ابن الغضائری نے کہا ہے کہ قمیوں نے ان پر طعن کیا ہے، حالانکہ طعن کا سبب اس میں نہیں ہے، درحقیقت طعن ان میں ہے جن سے وہ روایت کرتے تھے۔ وہ یہ پرواہ نہیں کرتا تھا کہ اخباری طریقے سے کس سے اخذ کر رہا ہے۔ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اسے قم سے نکال دیا تھا۔ پھر انہیں واپس آنے دیا اور ان سے معذرت کر لی۔ جب یہ دونوں امر واضح ہوگئے تو یہ بات ذہن نشین کر لیجئے

کہ ثقہ شخص کا غیر ثقہ سے نقل کرنا جب قلیل مقدار میں ہو تو امر اول میں داخل ہوتا ہے اور مروی عنہ کے ثقہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ ثقہ شخص کبھی کبھار غیر ثقہ سے بھی روایت کرتا ہے۔ لیکن جب وہ غیر ثقہ سے کثرت کے ساتھ نقل کرے، اگر مروی عنہ ضعیف ہو تو امر ثانی میں داخل ہوتا ہے اور راوی کے حق میں طعن شمار ہوتا ہے، اس بات کو تاریخ اس کے حق میں محفوظ کر لیتی ہے، لیکن جب وہ کثرت سے متضاد سے نقل کرے اور تاریخ نے اس طعن کا نشانہ نہیں بنایا، ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ مروی عنہ ثقہ ہے۔

اس کے ساتھ اس بات کا اضافہ کرلیں کہ اگر مروی عنہ ثقہ نہ ہو تو یہ نقلِ کثیر لغو امر قرار پائے گا۔ یہ امر قلّت نقل کے خلاف ہے، اس لئے کہ قلّت نقل میں (لغو قرار پانا) اس طرح نہیں ہوتا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ نقل کے بہت سے دیگر اہداف ہوتے ہیں، سوائے حجت سازی کے۔ اور وہ مضمون متحد ہونے والی ساری روایات اور نقول کو جمع کرنا ہوتا ہے، اگر کثرت سے ضعیف شخص سے نقل کیا جائے تو یہ فائدہ معدوم ہو جاتا ہے۔

معصومؑ سے کثرت کے ساتھ روایت

اس کا اعتبار کئے بغیر کہ نبی ﷺ سے یا امام علیہ السلام سے بکثرت روایت کرے، راوی کے ثقہ ہونے کے لئے دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ تاریخ حدیث میں کتنے ہی ضعیف راویوں نے نبی ﷺ کی جانب منسوب جھوٹی حدیثوں کو اپنی تجارت کا ذریعہ بنایا حتیٰ کہ نبی ﷺ کو اس کمینہ حرکت سے بیزاری کا اعلان کرنے کے لئے کھڑا ہونا پڑا۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا: مجھ پر بہت زیادہ جھوٹ باندھا جارہا ہے، جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اس بیان کی روشنی میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کثرت سے روایت عن المعصوم کو ثقہ ہونے کی دلیل شمار کیا جائے۔ البتہ ایسے راوی کے حالات معلوم کرنے کا طریقہ موجود ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب اس کی روایات کی ایک بڑی مقدار، ان روایات کے مضمون کے مطابق ہوں، جنہیں تمام راویوں نے روایت کیا ہے۔ تب ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ یہ شخص ثقہ ہے، اسے حدیث اور اس کی نشرواشاعت سے دلچسپی ہے، لہٰذا اس کی عام روایات سے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام کے ثقات اصحاب

حضرت امام صادق علیہ السلام اس زمانے میں امت کی تعلیم وتربیت کے لئے کمربستہ ہوئے، جس میں آراء اور افکار مضطرب تھے اور اسی زمانے میں اُمویوں اور ان کے مخالفین کے مابین جنگ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ چنانچہ ان دشوار اور سنگین حالات میں امام علیہ السلام نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور اپنے جد امجد کی احادیث اور اپنے آباء کے علوم کو نشر کیا، جسے لے کر آپ کے اصحاب کرام ہر طرف پھیل گئے۔ نیز آپؑ کے ہاتھوں ہزاروں محدثین اور فقہاء نے تربیت حاصل کی۔ یہی وہ اعلیٰ ترین فضیلت ہے جو آپؑ سے پہلے اور بعد کسی بھی امام کے لئے میسر نہ ہوسکی۔

یہ شیخ مفیدؒ ہیں جو آپ کے مدرسے کو اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: لوگوں نے امام صادق علیہ السلام سے اتنے علوم نقل کئے، جنہیں لے کر اصحاب دور دراز تک پھیل گئے، آپؑ کا تذکرہ تمام شہروں اور بستیوں میں منتشر ہوگیا۔ آپؑ کے اہل بیتؑ میں سے کسی بھی اتنے علماء نے نقل نہیں کیا جتنا آپؑ سے نقل کیا گیا، نہ ہی اُن میں سے کسی کی اتنے اہل آثار اور اخبار نقل کرنے والوں سے ملاقات ہوئی، نہ اُن سے ان لوگوں نے اتنی تعداد میں علوم نقل کئے، جتنا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کئے۔ محدثین نے اپنی آراء اور مقالات میں اختلاف کے باوجود آپؑ سے روایت کرنے والے ثقہ راویوں کے نام جمع کئے ہیں، جو چار ہزار اشخاص تک پہنچتے ہیں۔

اسی عبارت کے قریب قریب الفاظ علامہ ابن شہر آشوبؒ نے ''مناقب'' میں علامہ فتالؒ نے ''روضۃ الواعظین'' اور علامہ طبرسیؒ نے ''اعلام الوریٰ'' میں نقل کئے ہیں۔ ان چار بڑے علمائے کرام نے امامؑ کے منتخب تلامیذ کو ثقات بتایا ہے۔ اگر ان کی پہچان کا کوئی طریقہ ہوتا تو ہم ان کی سب احادیث کو حجت ودلیل بناتے۔

دو امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی شناسائی حاصل کرنا ممکن ہے

1) حافظ احمد بن محمد بن سعیدؒ جن کی کنیت ابو العباس المعروف ابن عقدہؒ (متوفی ۳۳۳ھ) ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے امام صادق علیہ السلام کے تمام اصحاب کو اپنی رجال کی کتابوں میں محفوظ کیا ہے اور نجاشی نے ان سے ان کے حالات نقل کئے ہیں۔ جیسا کہ نجاشی نے ابن

عقدہؒ کے ترجمہ میں کہا ہے، ان کی کتاب الرجال ہے، اس کتاب میں امام صادق علیہ السلام سے روایت کرنے والوں کا ذکر ہے۔ شیخ (طوسیؒ) نے بھی یہ الفاظ اپنی رجال کی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس حافظ کبیر ابن عقدہ کی کتاب رجال متاخرین تک نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود دوسرے طریقے سے اس میں موجود معلومات سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے، یہی وہ طریقہ ہے جسے ہم امر ثانی میں ذکر کرتے ہیں۔

2) ظاہر ہے کہ شیخ مفیدؒ کا کلام، ابن عقدہ کے جمع کردہ اصحاب امام صادق علیہ السلام کے اپنے اسماء الرجال کی، کتاب میں ناموں کا نگران ہے، شیخ طوسیؒ نے بھی ابن عقدہؒ کے رجال میں نہ کو بہت سے افراد کو رجال کی۔ کتاب میں شامل کیا ہے۔ پس اس کتاب (شیخ طوسیؒ کی رجال) کی طرف رجوع امام صادق علیہ السلام کے ثقات اصحاب کی شناخت کو ممکن بنا دیتا ہے، اس طریقے سے آج کے ثقات اصحاب میں سے ہزاروں کی واقفیت تلاش کرنے والا شخص حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن چند امور کے باعث اس قسم کی توثیق پر اعتماد مشکل ہے:

اولاً: ہمارے علماء میں سے بعض متاخرین نے امام صادق علیہ السلام سے راویوں کی تعداد بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جب کہ ان کا وصف ثقات بیان نہیں کیا۔

ثانیاً: اگر شیخ مفیدؒ کی اپنے اس کلام سے یہ مراد ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب چار ہزار تھے اور وہ سب کے سب ثقہ تھے، تو یہ بات اہل سنت کے اس موقف سے زیادہ مشابہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب عدول تھے۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام کے اصحاب کثیر تعداد میں تھے، مگر یہ کہ ان میں سے ثقات چار ہزار تھے، یہ ایسا امر ہے کہ اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ غیر مفید ہے اس لئے کہ ان میں سے ثقات کی شناخت اور دوسروں سے تمیز کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

ثالثاً: شیخ (طوسیؒ) نے اصحاب صادق علیہ السلام میں سے بہت سے اصحاب کو ضعیف کہا ہے ان سے مختص باب میں لکھا ہے: ابراہیم بن ابی حبہ ضعیف ہے، حارث بن عمر البصری ابو عمر ضعیف الحدیث ہے، عبدالرحمٰن بن ھلقام ضعیف ہے، عمرو بن جمیع البصری الاندی ضعیف الحدیث ہے۔ محمد بن

حجاج مدنی منکر الحدیث ہے۔ محمد بن عبدالملک انصاری کوفی ضعیف ہے۔ محمد بن مقلاس اسدی کوفی ملعون، غالی ہے۔

اسی طرح کی دیگر عبادات ہیں جو اصحاب امام علیہ السلام کے بارے میں ہیں، تب کیسے ممکن ہے کہ یہ کہا جائے، شیخ طوسیؒ کے رجال میں جو کچھ آیا ہے بالکل وہی کچھ ہے جو شیخ مفیدؒ نے ذکر کیا ہے۔

رابعاً: شیخ مفیدؒ کی اس مقام مدح وثناء میں وارد اس طرح کی عبارات سے جو متبادر ہے وہ یہ ہے کہ اصحاب امام علیہ السلام میں کثیر تعداد ثقات کی پائی جاتی تھی نہ یہ کہ ثقہ ہونے کا وصف بغیر استثناء کے اُن سب کو عام تھا۔ اس کی نظیر کسی شخص کا جامعہ کے طالب علموں کی ذہانت اور فطانت کے وصف کا بیان ہے، لیکن اس کے کلام سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاتا کہ بلااستثناء تمام طالب علم نہایت ذہین وفطین ہیں، بلکہ مراد غالب تعداد ہوتی ہے۔ پھر شیخ کے اپنے کلام میں سے بھی اس بات پر روشنی پڑتی ہے۔ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: ''آراء اور اقوال میں ان کے اختلاف کے باوجود''۔

ان آراء اور اقوال سے مراد اعتقادی اور کلامی مسائل ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ ان سب کو بعض اصول میں، جیسے جبر و تفویض، صفات کے عین ہونے اور زیادہ ہونے ذات باری تعالیٰ سے متعلق، عصمت انبیاء، امام علی علیہ السلام کے محاربین اور علاوہ ازیں بہت سے دیگر مقالات میں اختلاف کے باوجود ثقات عدول شمار کیا جائیں۔

چنانچہ ان کے کلام کو اس غالب تعداد پر محمول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ جو تعداد آنکھوں کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس بیان کی روشنی میں ہر اس شخص کی توثیق ثابت نہیں۔ جسے شیخ طوسیؒ یا نجاشیؒ نے اصحاب امام صادق علیہ السلام میں شمار کیا ہے۔

اصحاب اجماع

اصحاب اجماع سے متعلق بحث علم رجال کی اہم ابحاث میں سے ہے، محدث نوری نے اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ اس فن کی مہمات میں سے ہے، اس لئے کہ بعض تفاسیر کے مطابق بہت سی احادیث پر حجت کا حکم لگایا جاتا ہے اور بہت سے راویوں پر ثقہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اصل وہ ہے جس کا ذکر ابو عمرو کشی نے اپنی رجال کی کتاب کے تین مقامات پر کیا ہے۔ ان کی عبارات

نقل کئے بغیر چارہ نہیں تاکہ ہم ان کی تفسیر کی طرف لوٹیں۔ انہوں نے ایک باب اصحاب ابو جعفر اور ابو عبداللہ علیہما السلام میں سے فقہاء کے نام پر قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

بڑی جماعت (علماء) نے ابو جعفر اور ابو عبداللہ علیہ السلام کے اولین اصحاب کی تصدیق اور ان کی فقاہت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے: اولین لوگوں میں سے چھ سب سے بڑے فقیہ تھے۔ حضرت زرارہؓ، حضرت معروف بن خرّبوذ، حضرت برید، حضرت ابو بصیر اسدی، حضرت فضیل بن یسار، حضرت محمد بن مسلم طائفی، انہوں نے یہ کہا: ان چھ میں سے بھی بڑا فقیہ زرارہ تھے۔ بعض نے ابو بصیر اسدی کی جگہ ابو بصیر مرادی کہا ہے، جن کا نام لیث بن بختری ہے۔(8)

بعدازاں انہوں نے ''تسمیة الفقهاء من اصحاب ابی عبدالله علیهما السلام'' کے نام سے ایک اور عنوان ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

ان (فقہاء) سے جو مرویات صحیح ثابت ہو جائیں، ان علماء نے ان کی تصحیح پر اجماع کیا ہے، اور یہ راوی فقہاء جو کچھ کہتے ہیں، ان کی تصدیق پر اتفاق کیا ہے، اور ان کی فقاہت کا اقرار کیا ہے، یہ ان چھ روات کے علاوہ ہیں کہ جن کو ہم نے شمار کیا ہے اور ان کے نام لئے ہیں۔ وہ چھ لوگ ہیں: جمیلؓ بن دراج، عبداللہؓ بن مسقال، عبداللہؓ بن بکیر، حمادؓ بن عثمان، حمادؓ بن عیسیٰ اور ابانؓ بن عثمان، ان علماء نے فرمایا ہے۔ ابو اسحاق فقیہ یعنی ثعلبہ بن میمون کے خیال میں، ان میں سے سب سے زیادہ فقیہ جمیلؓ بن دراج ہیں۔ یہ لوگ ابو عبداللہ علیہ السلام کے اصحاب میں سے، جوان سال اشخاص تھے۔(9)

پھر انہوں نے تیسرے عنوان کے تحت، ابو ابراہیم اور ابوالحسن علیہما السلام کے اصحاب میں سے فقہاء کے اسماء ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ان فقہاء سے جو روایات صحیح ثابت ہو جائیں، ان کی تصحیح اور تصدیق پر ہمارے اصحاب نے اجماع کیا ہے اور ان کے فقہی و علمی مرتبے کا اقرار کیا ہے اور یہ چھ افراد ہیں۔ سوائے ان افراد کے جن کا ذکر ہم اصحاب ابی عبداللہ علیہ السلام میں کر چکے ہیں۔ چھ افراد کے اسماء گرامی یہ

ہیں: یونس بن عبدالرحمٰن، صفوان بن یحییٰ بیاع السابری، محمد بن ابی عمیر، عبداللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعض علماء نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال اور فضالہ بن ایوب کہا ہے، اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی بجائے عثمان بن عیسیٰ کہا ہے۔ تاہم ان سب میں زیادہ فقیہ یونس بن عبدالرحمٰن اور صفوان بن یحییٰ ہیں۔

علامہ کشی کے کلام کی تفسیر کرنے سے پہلے ہم بعض اہم امور پیش کرتے ہیں۔

اس گروہ کو اصحاب الاجماع سے تعبیر کرنا، ایسا امر ہے جو متاخرین میں سامنے آیا ہے، اسے ان موضوعات میں سے ایک بنا دیا ہے، جس سے متعلق کتب رجال کے مقدمات یا آخر میں زیر بحث لایا جاتا ہے، لیکن علامہ کشیؒ نے ان فقہاء رواۃ کو ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب الباقرین علیہ السلام'' یا ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب الصادق علیہ السلام'' یا ''تسمیۃ الفقہاء من اصحاب الکاظم والرضا علیہم السلام'' کے عنوانات سے تعبیر کیا ہے۔

علامہ کشیؒ ان ائمہ علیہم السلام کے ان اصحاب کے اسماء گرامی جمع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جن کی حیثیت نمایاں تھی۔ دوسروں کو چھوڑ کر ان کے اسماء ذکر کہنے سے مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ فقہی احادیث زیادہ تر ان کی طرف منسوب ہیں، گویا کہ فقہ شیعہ ان راویوں (فقہاء) سے ماخوذ ہے۔ اگر فقہاء اور ان کی روایت کردہ احادیث کو ثقہ کی بساط سے لپیٹ دیا جائے تو فقہ بے بنیاد اور بے سہارا رہ جاتی ہے۔

اصحاب اجماع کی تعداد

علامہ کشیؒ نے اصحاب صادقین علیہم السلام میں سے چھ اشخاص کو پہلے طبقے میں ذکر کیا ہے جو یہ ہیں:

.1	زرارہ بن اعین	.2	برید بن معاویہ	.3	معروف بن خرّبوذ
.4	ابو بصیر الاسدی	.5	الفضیل بن یسار	.6	محمد بن مسلم الطائفی

یہ ان لوگوں کے نام ہیں جو علامہ کشیؒ نے اختیار کئے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے ابو بصیر اسدی کی جگہ ابو بصیر مرُادی کا نام لیا ہے۔ علامہ کشی نے طبقہ ثانیہ میں ابو عبداللہ علیہ السلام کے اصحاب میں چھ جوان سال اصحاب کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں:

.7	جمیل بن دراج	.8	عبداللہ بن بکیر	.9	حماد بن عیسیٰ
.10	عبداللہ بن مسکان	.11	حماد بن عثمان	.12	ابان بن عثمان

یہ وہ لوگ ہیں جن پر سب نے اتفاق کیا ہے۔

اسی طرح علامہ کشی نے امام موسیٰ کاظم اور امام رضا علیہما السلام کے چھ اصحاب کو طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

.1	ایونس بن عبدالرحمٰن	.2	حسن بن محبوب	.3	صفوان بن یحییٰ بیاع السابری
.4	محمد بن ابی عمیر	.5	عبداللہ بن مغیرہ	.6	احمد بن محمد بن ابی نصر

اس طبقے کے پانچ فقہاء کے اسماء پھر کشی اور دیگر علماء میں اتفاق ہے، لیکن ایک پر اتفاق نہیں ہے۔ جب کہ انہوں نے کہا ہے: ان میں سے بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی فضال اور فضالہ بن ایوب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض علماء نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسیٰ کا نام لیا ہے، جبکہ تیسرے طبقے کے پانچ افراد پر علامہ کشی اور دیگر علماء میں اتفاق ہے، اس لحاظ سے کل سولہ اشخاص پر ان (علمائے رجال) کا اتفاق ہے۔ البتہ علامہ کشی دو اشخاص پر اجماع نقل کرنے میں منفرد ہیں، وہ دو یہ ہیں: پہلے طبقے میں سے ابو بصیر اسدی ہیں اور تیسرے طبقے میں سے حسن بن محبوب ہیں۔

اسی طرح دیگر علماء نے چار فقہاء پر اتفاق نقل کیا ہے، جن کے نام یہ ہیں: پہلے طبقے میں سے ابو بصیر مرادی، تیسرے طبقے میں سے حسن بن علی بن فضال، فضالہ بن ایوب اور عثمان بن عیسیٰ ہیں، اس طرح کل بائیس اشخاص بن جاتے ہیں۔ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر تمام علماء رجال متفق ہیں کہ

وہ اصحاب اجماع ہیں، یااُن کے بارے میں تنہا علامہ کشی کا قول ہے۔ یا ان کے علاوہ دیگر علما کا قول ہے۔ان میں سے سولہ افراد پر توثیقی اتفاق ہے اور جن کے ناموں پر اختلاف ہے وہ چھ اشخاص ہیں۔ **علامہ** سید بحر العلومؒ (۱۱۵۵ھ، ۱۲۱۲ھ) نے ان اشخاص کے نام اپنے منظوم کلام میں جمع کئے ہیں، جن کا ذکر علامہ کشی نے کیا ہے۔ لیکن ابو بصیر کے نام پر علامہ کشی نے اختلاف کی ہے، اس لئے کہ بحر العلوم نے اسے اسدی کے بجائے مرادی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں: سب کا اس پر اجماع ہے کہ جو روایات ان فقہا سے ثابت ہوں وہ صحیح ہیں۔علامہ بحر العلومؒ کے منظوم کلام کا مفہوم کچھ یوں ہے:

آپ جان لیجئے یہ سب شریف اور بلند مرتبہ لوگ ہیں۔ان کی تعداد چار۔ پانچ۔نو۔اٹھارہ ہے۔ پہلے چھ بڑے بزرگی والے ہیں اور ان میں سے چار مرکزی حثیت رکھتے ہیں۔ زرارہ، اسی طرح برید، پھر محمد اور لیس ہیں اے جوان۔ اسی طرح فضیل ہیں اور ان کے بعد معروف ہیں، یہی ہمارے جانے پہنچانے ہیں اور درمیانے چھ بڑے فضائل والے ہیں۔ تاہم ان کا رتبہ پہلوں سے ذرا کم ہے۔

جمیل خوبصورت ہے، ساتھ ابان ہے، دو عبداللہ ہیں پھر دو حماد ہیں۔آخری چھ عنوان اور یونس علیہما الرضوان ہیں۔ پھر ابن محبوب ہیں، اسی طرح محمد ہیں۔ اسی طرح عبداللہ پھر احمد ہیں۔جو ہم نے ذکر کیا ہے ہمارے نزدیک صحیح ترین ہے۔ جس نے اس بارے میں ہم سے اختلاف کیا ہے، اس کا قول شاذ ہے۔ بحر العلوم کا قول: "وماذکرناہ الاصح" اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے، جسے علامہ کشی نے اپنی عبارت میں نقل کیا ہے جیسا کہ کشی نے یہ اختیار کیا ہے کہ ابو بصیر اسدی ان میں سے ہے، جب کہ کشی کے علاوہ علماء نے ابو بصیر مرادی کو اِن میں شمار کیا ہے۔ سید بحر العلوم نے دوسرا قول پسند کیا ہے اور پہلے قول کو شاذ کہا ہے۔

حوالہ جات

1۔علامہ کشی، رجال کشی ۴۸۷،۴۹۶ طبع موسۃ الاعلمی للمطبوعات کربلا
2۔علامہ نجاشی، رجال نجاشیؒ ص ۷، بمبئی، رجال الشیخ طوسیؒ، ص ۶۱ طبع نجف، معجم رجال الحدیث للخوئیؒ جلد ۱، ص ۲۳، طبع النجف
3۔رجال نجاشی ص ۱۰، معجم الرجال، جلد ۱، ص ۲۰، ۲۳
4 ۔ شیخ طوسی، عدۃ الاصول، فصل نمبر ۱۰، فی ذکر الخبر الواحد واحکامہ" ص ۵۷، مطبوعہ ایران، ۱۳۱۴ھ
5۔ابن اثیر جزری، جامع الاصول من احادیث الرسول، ج ۱۱، ص ۱۲۰، قاہرہ، مطبعۃ سنۃ المحمدیہ، ۱۹۵۰ء، صحیح بخاری ج ۱، ص ۴۷۳، ۴۹۰، ''کتاب الانبیاء''، مطبع احمدی میرٹھ طبع اول ۱۲۸۲ھ
6۔سورہ تحریم آیت ۱۰
7۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول کافی ص ۳۳۹، ابواب التاریخ باب مولد صاحب الزمان علیہ السلام طبع نول کشور، لکھنو ۱۳۰۲ھ
8 ۔علامہ کشی، رجال کشی، ص ۲۰۶، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات کربلا۔
9 ۔ایضاً، ص ۳۲۲

قَالَ رَسُول اللهِ ﷺ: مَنْ رَدَّ حَدِيثاً بَلَغَهُ عَنِّی فَأَنَّا مُخاصِمُهُ يَومَ القِيامَةِ. فَإِذا بَلَغَكُم عَنّی حَدِيثٌ لَمْ تَعرِفُوا فَقُولُوا: اَللهُ أَعلَم.

جس شخص تک میری کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کا انکار کرے تو قیامت کے دن میں اس سے شکوہ وشکایت کروں گا۔ پس جب بھی تم تک میری کوئی ایسی حدیث پہنچے جس کے حدیث ہونے کا تمہیں علم نہ ہو تو کہو: اللہ بہتر جانتا ہے۔

(محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۹، ص ۲۱۲، علی متقی ہندی، کنزالعمال، تحقیق بکری حیانی، ج10، ص236، ح29249)

کتاب شناسی

کتب اربعہ کا اجمالی تعارف

سید رمیز الحسن موسوی*

1) الکافی

مؤلف: ثقۃ الاسلام شیخ کلینیؒ (متوفی ۳۲۹ھ)

ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی تیسری صدی ہجری میں "قدیم رے" کے ایک گاؤں "کُلین" میں پیدا ہوئے۔اُن کا گھرانہ اپنے علاقے میں علم وفضل کے لحاظ سے ایک معروف خاندان تھا۔محمد بن یعقوب بعد میں اپنے اسی علم فضل کی بنا پر ثقۃ الاسلام ،رئیس المحدثین اور بغدادی کے القاب سے مشہور ہوئے۔اُن کی صحیح تاریخ پیدائش مشخص نہیں لیکن بعض تاریخی قرائن سے پتا چلتا ہے کہ وہ امام زمانہ (عج) کی ولادت کے زمانے سے انتہائی قریبی زمانے میں پیدا ہو ئے ہیں۔علامہ بحرالعلوم کے مطابق : کلینی نے اما م حسن عسکری علیہ السلام کی حیات مبارکہ کا کچھ حصہ دیکھا ہے،لیکن آیت اللہ خوئی کے نزدیک کلینی کی پیدائش امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد ہو ئی ہے۔شیخ کلینی کی علمی فضیلت کا اعتراف تمام شیعہ وسنی علماء نے کیا ہے اور حدیث میں اُن کے مقام ومرتبے کو تسلیم کیا ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینی نے شہر رے، قم، بغداد ، کوفہ اور دور ونزدیک بہت سے علاقوں کے بزرگ

---

* ۔ محقق،مدیر سہ ماہی مجلّہ نور معرفت،اسلام آباد۔

علماء، فقہاء اور محدثین سے ملاقاتیں کی ہیں اور ان کی معلومات و محفوظات کے خرمن سے خوشہ چینی کی ہے نیز ان سے اجازات حاصل کئے ہیں۔ ان بزرگ علماء سے اجازہ بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے، کتب تراجم و رجال میں چالیس سے زیادہ فقہاء و محدثین کا نام لیا جاتا ہے کہ جو کلینی کے اساتید اور مشائخ شمار ہوتے ہیں اور کلینی نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔ اسی طرح چوتھی صدی ہجری کے مشہور علماء جو چوتھی صدی کے اواخر میں بہت سے علماء کے استاد تھے تقریباً سبھی جناب شیخ کلینی کے شاگرد تھے۔ کلینی کے بعض سوانح نگاروں کے مطابق مجموعاً ۵۱ افراد اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگ بھی شیخ کلینی کے شاگرد تھے۔

شیخ کلینی کی ''الکافی'' کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی ہیں۔ شیخ طوسی اور نجاشی نے ذیل کی کتابوں کو شیخ کلینی کی تالیفات میں سے شمار کیا ہے :

۱۔کتاب الرجال ۲۔الرد علی القرامطہ ۳۔رسائل الائمہ علیہم السلام
۴۔ تعبیر الرؤیہ ۵۔ما قیل فی الائمہ فی الشعر ۶۔الزی والتجمل
۷۔الدواجن والرواجن ۸۔کتاب الکافی

ثقۃ الاسلام کلینی نے آخر کار ۳۲۸ ھ یا ۳۲۹ ھ میں کہ جو امام زمانہ (ع) کی غیبت کبریٰ کے آغاز کا زمانہ ہے ،شہر بغداد میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا ہے۔

الکافی

علم حدیث میں شیخ کلینی علیہ الرحمہ کی کتاب ''الکافی'' دنیائے اسلام کی اہم ترین کتاب ہے۔ یہ شیعوں کی معروف کتب حدیث میں پہلی کتاب ہے جو شیخ کلینی کی ہمیشہ زندہ رہنے والی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب تین جدا حصوں پر مشتمل ہے :

۱۔اصول ۲۔فروع ۳۔روضہ

شیخ کلینی نے کتاب کے پہلے حصے میں آٹھ فصلوں میں شیعہ عقائد کے اصول واعتقادات کی تشریح اوران کے اعتقادی مسائل سے مربوط مطالب کا تذکرہ کیا ہے۔ مؤلف نے ہر عنوان کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے اورہر باب میں متعدد روایات نقل کی ہیں ان میں سے

بعض عناوین دوسوسے زیاد ہ ابواب پر مشتمل ہیں البتہ ہر باب میں ذکر شدہ روایات کی تعداد مختلف ہے کبھی تو ایک باب میں صرف ایک ہی روایت ہے جبکہ بعض ابواب میں دسیوں روایات ذکر ہوئی ہیں۔ شیخ کلینی کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے یہ کتاب اپنے ایک دینی بھائی کے خط کے جواب میں لکھی ہے۔اس شخص کا نام مشخص نہیں لیکن احتمال ہے کہ وہ محمد بن عبد اللہ قضاعہ صفوانی یا محمد بن نعمانی ہیں۔

الکافی کے عناوین اور ابواب

اصول کافی

اس حصے میں درج ذیل ابواب کے تحت احادیث جمع کی گئی ہیں :

ا۔عنوان العقل والجہل (اس عنوان کے تحت صرف ایک باب ہے جو ۳۶ روایات پر مشتمل ہے)

۲۔عنوان فضل العلم (اس میں بہت زیادہ ابواب ہیں)

۳۔عنوان التوحید(اس میں کائنات کا حدوث اوراس کاخالق، معرفت خدا کامعمولی درجہ، اس کی ذات کے بارے میں گفتگو سے ممانعت ، نظریہ رویت خدا کا بطلان، خدا کے ذاتی صفات، ارادہ اوراس کے دیگر صفات افعالی، اسمائے الٰہی کے معانی،مشیت اورارادہ، بد بختی اورخوشی بختی، جبروقدر اورامر بین الامرین جیسے موضوعات پر احادیث جمع کی گئی ہیں)

۴۔عنوان الحجہ (کافی کے حصہ اصول کے عنوان ،ایمان وکفر، کے بعدسب سے وسیع وعریض عنوان یہی ہے اس میں بہت زیادہ روایات اور ایک سوسے زیادہ ابواب میں ذکر ہوئی ہیں)

۵۔عنوان الایمان والکفر (یہ الکافی کے حصہ اصول کا سب سے وسیع عنوان ہے جو دوسوسے زیادہ عناوین پر مشتمل ہے)۔

٦۔ عنوان الدعاء (یہ عنوان دوحصوں میں ہے:پہلاحصہ: دعا کی فضیلت اورآداب کے باب میں ہے۔دوسرے حصے میں بعض دعائیں اور چھوٹے چھوٹے اذکار یا بعض خاص حالات کی دعائیں جمع کی گئی ہیں)۔

٧۔ عنوان فضل القرآن(اس میں چودہ باب ہیں جیسے حاملین قرآن کی فضیلت، قرائت قرآن، ترتیل وحفظ قرآن وغیرہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے)۔

٨۔عنوان المعیشۃ(یہ کافی کے حصہ اصول کا آخری عنوان ہے)

فروع کافی

کتاب کافی کا دوسرا حصہ فروع الکافی، ہے جس میں فقہی مسائل سے متعلق روایات ہیں۔یہ یاددہانی ضروری ہے کہ فروع کافی کے بعض ابواب، فقہی کتابوں میں مستقل طورپرلائے جاتے ہیں جبکہ اجارہ، بیع، رہن، عاریہ، ودیعہ وغیرہ کافی کے عنوان المعیشۃ میں اورامر بالمعروف عنوان الجہاد میں نیز زیارات باب الحج میں ذکر ہوئے ہیں۔فروع کافی، کتاب کافی کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

روضۃ الکافی

الکافی کا تیسرا حصہ روضۃ الکافی کے نام سے معروف ہے جس میں مختلف موضوعات سے متعلق روایات بغیر کسی خاص نظم وترتیب کے ذکر کی گئی ہیں۔

روایات کی تعداد

روایات کافی کی تعداد بڑی مختلف بتائی گئی ہے علامہ شیخ یوسف بحرانی نے کتاب لولوء البحرین میں ١٦١٩٩ حدیث، ڈاکٹر حسین علی محفوظ نے مقدمہ کافی میں ١٥١٧٦ حدیث، علامہ مجلسی نے ١٦١٢١ حدیث اورہمارے بعض ہم عصر بزرگوں جیسے عبدالرسول الغفار نے ١٥٥٠٣ حدیث شمار کی ہیں۔

کتاب کی اہمیت کے متعلق علما کی آراء

شیخ مفید: شیخ مفید، جناب کلینی کے ہم عصر شمار ہوتے ہیں؛وہ کافی کے بارے میں لکھتے ہیں: کتاب کافی شیعوں کی برترین اور مفید ترین کتاب ہے۔

شہید اول: شہید محمد بن مکی، ابن خارب کو لکھے گئے اپنے اجازہ میں شیعوں کی کتب حدیث کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کتاب کافی کے مانند شیعوں میں حدیث کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

شہید ثانی: شیخ ابراہیم مسینی کے نام اپنے اجازہ میں کتاب کافی کو بقیہ تین کتاب الفقیہ، التہذیب، الاستبصار کے ہمراہ اسلام وایمان کا ستون شمار کرتے ہیں۔

مجلسی اول: کا بھی دعویٰ ہے کہ مسلمانوں میں کتاب کافی کے مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

مجلسی ثانی: اپنی کتاب مرآۃ العقول میں کتاب کافی کی مفصل شرح میں لکھتے ہیں: کتاب کافی تمام کتب اصول وجوامع سے جامع تر اور مضبوط کتاب ہے اورفرقہ ناجیہ شیعہ امامیہ کی بزرگترین وبہترین کتاب ہے۔

علامہ مامقانی: کا کہنا ہے کہ کافی کے مانند اسلام میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے کہاجاتا ہے کہ یہ کتاب امام زمان علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی امام نے اسے پسند کیا اورفرمایا: یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے۔

آقا بزرگ تہرانی: عظیم ترین ماہرکتابیات آقا بزرگ تہرانی کا کہنا ہے کہ کتاب کافی کتب اربعہ میں برترین کتاب ہے اوراس کے مانند روایات اہلبیت پر مشتمل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

الکافی کی خصوصیات

ا۔جامعیت: کافی کی سب سے بڑی خصوصیت ہے چونکہ ہماری دوسری کتب حدیث میں وہ جامعیت نہیں پائی جاتی جو الکافی میں ملتی ہے ،جیسا کہ ہم نے من لایحضرہ الفقیہ اور استبصار کے

باب میں واضح کیا ہے کہ اُن میں فقط فقہی عناوین پر احادیث جمع کی گئی ہیں لیکن کافی میں شیخ کلینی نے نہ فقط فقہ کے تمام ابواب کا احاطہ کیا ہے بلکہ عقائد ومعارف کے بارے میں بھی بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا ہے۔اس لحاظ سے یہ کتاب دوسری کتب حدیث کی نسبت جامعیت کی حامل ہے۔

۲۔اس کتاب کے مولف نے امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ اورامام زمانہ علیہ السلام کے چار نائبین کازمانہ دیکھا ہے۔

۳۔مؤلفین اصول کے زمانہ سے نزدیک ہونے کے باعث مولف نے بہت کم واسطوں سے روایات نقل کی ہیں یہی وجہ ہے کہ کافی کی بہت سی روایات فقط تین واسطوں سے نقل ہوئی ہیں۔ (دیکھیے کتاب: "ثلاثیات الکلینی وقرب الاسناد تالیف امین ترمس العاملی۔")

۴۔کتاب کے عناوین بڑے مختصر اورواضح ہیں جوہر باب کی روایات کا پتہ دیتے ہیں۔

۵۔روایات بغیر کسی دخل وتصرف کے نقل ہوئی ہیں اورمصنف کے بیانات احادیث سے مخلوط نہیں ہیں۔

۶۔مصنف کی کوشش رہی ہے کہ صحیح اورواضح احادیث کو باب کے آغاز میں اور اس کے بعد مبہم ومجمل احادیث کوذکر کریں۔

۷۔حدیث کی پوری سند ذکر ہوئی ہے اسی لئے یہ کتاب تہذیب الاسلام ، الاستبصار اور من لایحضرہ الفقہ سے متفاوت ہے۔

۸۔مؤلف نے انھیں روایات کو ذکر کیا ہے جوباب کے عنوان سے سازگار ہیں اورمتضاد احادیث کے نقل سے پرہیز کیا ہے۔

۹۔روایات کوان کے باب کے علاوہ جگہوں پر ذکر نہیں کیا ہے۔

۱۰۔کتاب کے ابواب کو بڑے دقیق اورمنطقی انداز سے تنظیم کیاہے: عقل وجہل پھر علم اس کے بعد توحید کو شروع کرنے سے درحقیقت معرفت شناسی کے بعض مباحث کو پہلے مرحلے میں قرار دیا ہے پھراس کے بعد توحید و امامت تک پہنچتے ہیں اس کے بعد اخلاقی روایات کو

نقل کرکے فروع اوراحکام تک پہنچتے ہیں اورآخر میں مختلف قسم کی روایات کو کشکول کے مانند جمع کیا ہے۔

الکافی سے متعلق کتابیں

یہاں پر کتاب کافی سے متعلق نشر شدہ آثار کی طرف چند حصوں میں اشارہ کیاجاتا ہے:

تعلیقات اور شرحیں

ا۔ التعلیقۃ علی کتاب الکافی، محمد باقر حسین معروف بہ میر داماد (متوفی ۱۰۴۱ھ) تحقیق سید مہدی رجائی(مطبعہ خیام قم، ۱۴۰۳ھ)

۲۔شرح اصول الکافی، صدرالدین شیرازی(متوفی ۱۰۵۰ھ)

۳۔ الحاشیہ علی اصول الکافی رفیع الدین محمد بن حیدرالنائینی، تحقیق محمد حسین درایتی (دارالحدیثہ قم ۱۳۸۳ھ،ش)۶۷۲ صفحات۔

۴۔الحاشیہ علی اصول الکافی سید بدرالدین بن احمد الحسین العاملی تحقیق علی فاضلی (دارالحدیثہ قم ۱۳۸۳ھ،ش)۶۷۲ ص وزیری سائز۔

۵۔الدرالمنظوم من کلام المعصوم علی بن محمد بن حسی نبی زین الدین عاملی(۱۱۰۳ تا ۱۱۰۴ھ) تحقیق: محمد حسین درایتی (دارالحدیثہ قم ۱۳۸۳ھ،ش)۶۷۲ ص وزیری سائز۔

۶۔ مرآۃ العقول محمد باقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ) دارالکتب العلمیہ تہران ۱۴۰۴ھ ۱۳۶۳ھ ش ۳۶ ج۔

۷۔ شرح الکافی، الاصول والروضۃ محمد صالح مازندرانی تعلیق میرزا ابوالحسن شعرانی (تہرانی المکتبہ الاسلامیۃ ۱۳۴۴ ۳) ۱۲ ج۔

۸۔الشافی فی شرح اصول کافی، ۳ج، عبدالحسین المظفر (مطبعۃ الغری، نجف اشرف ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء)۔۳۰

ب: تراجم

فارسی ترجمہ

۱۔ اصول کافی، ترجمہ وشرح فارسی: سید جواد مصطفوی (تہران، دفتر نشر فرہنگ اہل بیت ۲ج) یہ ترجمہ متن احادیث کے ہمراہ ہے۔

۲۔ الروضۃ من الکافی، ترجمہ وشرح فارسی: سید ہاشم رسولی محلاتی (تہران، انتشارات علمیہ اسلامیہ) ۲ج۔

۳، اُصول کافی، ترجمہ وشرح فارسی، آیت اللہ شیخ محمد باقر کمرہ ای (انتشارات اُسوہ، تہران، ۱۳۷۰ش)

اُردو ترجمہ:

۳۔ الشافی ترجمہ اُصول کافی: سید ظفر حسن نقوی (ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ، کراچی)

انگریزی ترجمہ

۴۔ الکافی، انگریزی ترجمہ، الموسسہ العالمیۃ للخدمات الاسلامیۃ۔ (اس ترجمہ کی اب تک ۱۳ جلدیں عربی متن کے ہمراہ شائع ہوچکی ہیں)

ج: تلخیصات

۱۔ گزیدہ کافی، فارسی ترجمہ و تحقیق: محمد باقر بہبودی (تہران، شرکت انتشارات علمی وفرہنگی، ۱۳۹۶ ش) ۶ جزء تین مجلد میں (حق معارف وآداب ح۳: طہارت، صلاۃ، ج۳، زکات روزہ ج۴: حج معیشیت ج۵، ازدواج، مشروبات ۶ج: زینت وگل وگلشن)۔

۲۔ خلاصہ اصول کافی، فارسی ترجمہ، علی اصغر خسروی سبشتری (تہران، کتاب فروشی امیری، ۱۳۵۱ ش) ۲۷۰ص۔

۳۔ الصحیح من الکافی، ۳ج، محمد باقر بہبودی (الدارالاسلامیۃ ۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۱ع)۔

۴۔ درخشان پرتوی از اصول کافی، سید محمد حسین ہمدانی (قم، مولف ۱۴۰۶ ق)۔

د: معاجم و راہنما

۱۔ المعجم المفہرس الفاظ اصول اکفی، الیاس کلانتری (تہرانی انتشارات کعبہ)۔

۲۔ المعجم الفہرس لالفاظ الاصول من الکافی، علی رضا برازنش (تہران، منطقہ الاعلام الاسلامی، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ع اول)

۳۔الھادی الی الفاظ اصول کافی سید جواد مصطفوی۔
۴۔فھرس احادی ث اصول کافی ، مجمع البحوث الاسلامیہ۔
۵۔فھرس احادیث الروضہ من الکافی، مجمع البحوث الا سلامیہ۔
۶۔فھرس احادیث المفروع من الکافی، مجمع البحوث الاسلامیہ
۷۔فھرس احادیث الکافی، بنیاد پژوہش ھای اسلامی استان قدس رضوی۔

ہ: اسناد ورجال کافی

ا۔ تجرید اسانید الکافی وتنقیحا، حاج میراز مہدی صادقی (قم،۱۴۰۹ھ)
۲۔الموسوعۃ الرجالیۃ، حسین طباطبائی بروجردی،۷ جلد تنظیم : میرزا حسن النوری(مجمع البحوث الاسلامیہ ، مشہد ۱۴۱۳ھ)

اس مجموعہ کی پہلی جلد بعنوان ترتیب اسانید کتاب الکافی ۵۶۷ ص میں اورجودوسری جلد بعنوان رجال اسانید اورطبقات رجال الکافی ،۴۶۸ صفحہ میں کافی سے متعلق ہے۔

2) من لایحضرہ الفقیہ

اس کتاب کے مؤلف عظیم محدّث سرکار محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی المعروف "شیخ صدوق" (متوفی ۳۸۱ھ) ہیں۔ شیخ صدوق بنیادی طور پر ایک محدث تھے اور اُن کی علمی مہارت کا سب سے بڑا میدان علمِ حدیث ہی تھا۔ حتی کہ اُن کی وہ تالیفات جو کلامی یا تاریخی حیثیت رکھتی ہیں،اُن کا اسلوب بھی وہی ہے جو حدیث کی کتب کا اسلوب ہے۔ حدیث کے سلسلے میں اُن کی سب سے اہم کتاب " من لایحضرہ الفقیہ " ہے۔

اس کتاب کا موضوع فقہی اور شرعی احکام کے بارے میں اہل بیت اطہار علیہم السلام سے نقل ہونے والی روایات ہیں۔ شیخ صدوق نے ان روایات کو مختلف فقہی ابواب کے تحت اس کتاب میں جمع کیا ہے۔اس کتاب میں شیخ صدوق نے وہ فقہی روایات جمع کی ہیں جو اُن کی نظر میں صحیح اور معتبر تھیں۔

کتاب کی قدر و قیمت

یہ کتاب امامیہ کتب حدیث میں اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اور کتب اربعہ میں سے ایک معتبر ترین مجموعہ احادیث ہے۔ ہر مجتہد شرعی احکام کے استنباط اور اجتہاد میں اس کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ کتاب اپنی تالیف کے زمانے سے لے کر آج تک شیعہ فقہا اور مجتہدین کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور تمام فقہی کتابوں میں اس کتاب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا شمار اپنی جامعیت اور قدمت کی وجہ سے کتب اربعہ میں دوسرے نمبر پر ہوتا ہے۔

اس کتاب میں ۵۹۲۰ روایات اور ۶۶۶ ابواب ہیں۔ جن میں سے ۳۹۴۳ روایات سند رکھتی ہیں اور ۲۰۵۵ روایات مرسلہ (بغیر سند کے) ہیں۔ کتاب کی ترتیب فقہی ابواب کی بنیاد پر ہے مثلاً پہلا باب، پانی کے احکام کے بارے میں ہے جس میں طہارت اور نجاست کی بحث کی گئی ہے اس کے بعد غسل، تیمّم، اور نماز کے ابواب شروع ہوتے ہیں۔ کیونکہ شیخ صدوق کی اس کتاب کو اس زمانے کی توضیح المسائل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے اس میں موجود روایات کی تمام اسناد ذکر نہیں کی گئیں۔ بلکہ فقط بعض روایات کی اسناد کو کتاب کے آخر میں ''مشیخہ'' کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں ایسی روایات ذکر کی گئی ہیں کہ جو اُن کے فتویٰ کے مطابق تھیں اور مولف کی نظر میں صحیح تھیں۔ شیخ صدوق نے یہ کتاب افغانستان کے شہر بلخ کے ایک سید، شریف الدین ابو عبداللہ محمد بن حسین المعروف نعمت کی درخواست پر لکھی ہے۔ اس سلسلے میں وہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

میں نے "من لایحضرہ الفقیہ" کو اپنے ایک ایمانی دوست شریف الدین نعمت کی درخواست پر شیعوں کی فقہی رہنمائی کے لئے لکھا ہے۔ اور اس کتاب کا نام محمد بن زکریا رازی کی کتاب "من لایحضرہ الطبیب" کے نام پر "من لایحضرہ الفقیہ" (یعنی جس کے پاس فقیہ موجود نہیں ہے اس کی کتاب) رکھا ہے۔

یہ درحقیقت فقہ کی خود آموز کتاب ہے شیخ صدوق نے اسے عصر حاضر میں ''توضیح المسائل'' کی طرح تالیف کیا ہے تاکہ شیعوں کے فقہی سوالات کے جواب اس کتاب میں مل سکیں۔

اسلوب نگارش

اوائل میں شیعہ فقہا فقط ائمہ طاہرین کی احادیث کو نقل اور روایت کرنے پر ہی اکتفا کرتے تھے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے کلام کے مقابلے میں خود سے کسی قسم کی بات کا اضافہ نہیں کرتے تھے۔ چونکہ وہ کلام معصومین کو معدن وحی سے مربوط سمجھتے تھے اور اس کے مقابلے میں اپنی بات کو ہیچ جانتے تھے، حتیٰ وہ اگر حدیث کے علاوہ کسی اور موضوع میں کتاب بھی لکھتے تو اُن کی کوشش یہی ہوتی کہ اس میں روایات کے الفاظ وکلمات سے استفادہ کیا جائے اور اہل بیت اطہار کے کلام کے علاوہ کوئی اور کلام نقل نہ کیا جائے۔

شیخ صدوق اس طبقے کے آخری علماء میں سے ہیں لہٰذا اُن کی تالیفات میں بھی یہی اسلوب نظر آتا ہے اور وہ بھی اپنی تالیفات میں کلام معصومین سے ہی استفادہ کرتے ہیں اور روایات سے ماخوذ الفاظ وکلمات استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض علمائے شیعہ کا خیال ہے کہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی روایت نہ ملے تو شیخ صدوق کے کلمات والفاظ سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ روایات واحادیث معصومین سے استفادہ کرتے تھے اور روایات ہی کے الفاظ وکلمات استعمال کرتے تھے۔

من لایحضرہ الفقیہ کے اہم عناوین و موضوعات

یہ کتاب بہت سے فقہی مباحث و موضوعات پر مشتمل ہے جن میں سے اہم ترین موضوعات یہ ہیں:

۱۔ پانی، طہارت اور نجاست　　۲۔ نماز کے واجبات اور مقدمات (وضو، غسل اور تیمّم)

۳۔ احکام اموات　　۴۔ احکام نماز　　۵۔ احکام قضاوت

۶۔ مکاسب　　۷۔ احکام ازدواج وارث

من لایحضرہ الفقیہ کی خصوصیات

اس کتاب پر شیخ صدوق کے مقدمہ کی روشنی میں اس کتاب کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

ا۔روایات کی اسناد ذکر نے کے بہت سے فائدے ہیں لیکن کتاب کو طولانی ہونے سے بچانے کے لئے شیخ نے اسناد کو ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں :"...وصنفت له هذاالكتاب بحذف الاسانيد لئلا تكثر طرقه وإن كثرت فوائده " لہٰذا شیخ صدوق نے کتاب کے آخر میں ایک مفصل فصل میں کتاب کی اسناد کو ذکر کیا ہے کہ جو مشیخہ کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔بطور مثال وہ مشیخہ کے آغاز میں لکھتے ہیں :اس کتاب میں جو بھی روایت عمار بن فضال ،عمروبن سعید مدائنی، مصدق بن صدقہ سے ہے۔۔۔۔''(ج ۴،ص ۴۲۳، ۴۲۲)اس کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:

''تمت اسانيد كتاب من لايحضره الفقيه "۔

۲۔من لایحضرہ الفقیہ میں ذکر کی گئی روایات درحقیقت شیخ صدوق کے فتاویٰ ہیں جو اُن کی نظر میں صحیح ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ولم أقصد فيه قصد المصنّفين في ايراد جميع ما رواه ،بل قصدت الى ايراد ما أفتي به وأحكم بصحته وأعتقد فيه أنه حجة فيما بيني وبين ربّ"

یعنی: "میں نے عام مصنفین کی عادت کے مطابق تمام روایات کو لانے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ میں فقط وہی روایت ذکر کروں گا کہ جو میرے فتویٰ کے مطابق ہے اور اُسے میں صحیح سمجھتا ہوں اور میں معتقد ہوں کہ وہ میرے اور میرے رب کے درمیان حجت ہے۔"

اسی لئے اس کتاب کی روایات کی صحت اور درستی کے بارے میں شیخ کی صدوق کی اسی تاکید کی وجہ سے کچھ اخباری علماء نے من لایحضرہ الفقیہ کی تمام روایات کو قطعی الصدور قرار دیا ہے لیکن اُن کا یہ دعویٰ قابل تامل ہے۔

۳۔شیخ صدوق نے کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی تالیف میں اپنی ۲۴۵ کتابوں کے علاوہ دوسری مشہور اور قابل اعتماد کتابوں مثلاً کتاب حریز بن عبد اللہ سجستانی،کتاب عبید اللہ بن علی حلبی، کتاب علی بن مھزیار اھوازی ،کتاب حسین بن سعید اور احمد بن محمد بن عیسیٰ کے نوادر سے بھی استفادہ کیا ہے۔یہ سب کتابیں شیعہ کتب حدیث کی اصطلاح میں "اصول اولیہ " کہلاتی ہیں۔

۴۔ایک اور اہم بات یہ کہ شیخ صدوق نے اس کتاب کی تمام روایات کو بلخ شہر میں شریف الدین نعمت کے سامنے قرائت کیا ہے اور پھر اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔اس بات سے پتا چلتا ہے کہ شیخ صدوق نقل کتاب کی صحت و درستی پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

قرآنی آیات سے استناد

من لایحضرہ الفقیہ کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ شیخ صدوق نے بعض ابواب میں ،اُنہی ابواب کی مناسبت سے قرآنی آیات سے بھرپور استفادہ کیا ہے ،اس سے پتا چلتا ہے کہ شیخ روایات کے ساتھ ساتھ قرآن کی طرف بھی پوری طرح متوجہ تھے اور قرآن کے ساتھ استناد کے ذریعے وہ روایات کو مزید محکم بنانا چاہتے تھے۔مثلاً کتاب کے شروع میں طہارت و نجاست کے باب میں وہ پانی کے متعلق لکھتے ہیں:

ان اللہ تبارك و تعالیٰ یقول :۔۔۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا '' (الفرقان ۴۸) (اور ہم آسمان سے پاک پانی برساتے ہیں) اسی طرح خداوند عزوجل نے فرمایا: '' وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ '' (مومنون، آیت ۱۸) (ہم ایک صحیح اندازآسمان سے پانی برساتے ہیں، پھر اسے زمین میں ٹھہرادیتے ہیں اور ہم اس کے لے جانے پر یقینا قادر ہیں) اور پھر فرمایا : '' وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ '' (انفال، آیت ۱۱) (اور تم پر آسمان سے پانی نازل کیا تاکہ تمہیں پاک کیا جائے) یہاں پر شیخ فرماتے ہیں : ''فاصل الماء کله من السماء وهو طهور کله وماء البحر طهور وماء البئر طهور''۔

اس باب میں شیخ صدوق نے پانی کے بارے میں تین اہم آیات لا کر اُن سے پانی کے احکام کے بارے میں تین اہم نکات کی اخذ کئے ہیں:

الف: ہر قسم کے پانی کا سرچشمہ آسمان ہے۔چونکہ تینوں آیات میں آیا ہے کہ خدا نے پانی کو آسمان سے نازل کیا ہے۔لہٰذا پانی آسمانی سرچشمہ رکھتا ہے پس بنیادی طور پر اُس کی تمام اقسام پاک ہونی چاہیں۔

ب: پہلی اور تیسری آیت میں پانی کے طہور (پاک کنندہ) ہونے کی تاکید کی گئی ہے۔پس تمام قسم کے پانی ذاتاً طہور ہیں۔

ج: آیہ مجیدہ : ''فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ'' سے استفادہ ہوتا ہے کہ زمین سے نکلنے والے مثلاً کنویں اور دریا وغیرہ کا پانی اپنے آسمانی ہونے کی وجہ سے پاک کنندہ (طہور) ہیں۔

اسی طرح شیخ صدوق نے بہت دوسرے مواقع پر مثلاً باب تیمّم، باب جماعت اور فضیلت جماعت، باب صید ذبائح وغیرہ میں بھی پہلے ان ابواب کے تناسب سے آیات قرآن سے استناد کیا ہے۔ فضیلت جماعت کے باب میں یہ آیہ مجیدہ: '' وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ''۔ (بقرہ، آیت ۴۳)

اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: خدا نے جس طرح نماز کا حکم دیا ہے، اسی طرح اُسے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بھی حکم دیا ہے۔

متناقض روایات کے درمیان جمع

اگرچہ شیخ صدوق کی یہ کتاب، شیخ طوسی کی کتاب ''تہذیب الاحکام'' کی طرح مخالف اور موافق روایات کے کو بیان کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی؛ اس کتاب میں شیخ صدوق فقط وہ روایات ذکر کرتے ہیں کہ جو اُن کے فتاویٰ کے مطابق ہیں۔ اس کے باوجود وہ کتاب کے بہت سے مقامات پر اپنے فتویٰ کے مطابق روایات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ، اُن کی مخالف روایات بھی ذکر کرتے ہیں اور اکثر اوقات اُن کے درمیان جمع کرتے ہوئے ایک قسم کی مسالمت برقرار کرتے ہیں اور کبھی ان دونوں مخالف روایات کے درمیان جمع کے لئے کچھ اور روایات بھی بطور شاہد بھی ذکر کرتے ہیں اور کبھی روایات کے درمیان جمع کی خاطر قواعد تعادل وتراجیح سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور اُصولی قواعد یعنی حمل عام بر خاص، مطلق ومقید، اور بعد والے معصوم کی روایت پر عمل یا تقیہ کے عنوان سے صادر ہونے والی روایات جیسے قواعد فقہ سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

من لایحضرہ الفقیہ کی شرحیں

شیخ صدوق کی اس کتاب پر بہت سی شرحیں بھی لکھی گئی ہیں جو علماء کے درمیان اس کتاب کی منزلت اور قدر وقیمت کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض اہم شرحوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔شرح من لایحضرہ الفقیہ بنام روضۃ المتقین ؛تالیف : مولی محمد تقی مجلسی والد علامہ مجلسی ،اُنہوں نے یہ کتاب ۱۰۶۳ھ میں مکمل کی۔
۲۔شرح من لایحضرہ الفقیہ،تالیف : سید اجل امیر محمد صالح بن امیر عبد الواسع داماد علامہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۶ھ)
۳۔شرح من لایحضرہ الفقیہ ؛تالیف : شیخ الاسلام والمسلمین شیخ بہائی ، محمد بن حسین بن عبد الصمد حارثی ہمدانی (متوفی ۱۰۳۰ھ)
۴۔شرح من لایحضرہ الفقیہ ؛بنام '' معاھد التنبیہ '' تالیف : شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن زین العابدین شہید ثانی (متوفی ۱۰۳۰ھ)
۵۔شرح من لایحضرہ الفقیہ ؛تالیف : مولی حسام الدین محمد صالح بن احمد سروی مازندرانی (متوفی ۱۰۸۱ھ)

3) تھذیب الاحکام فی شرح المقنعہ

شیخ طوسیؒ (متوفی ۴۶۰ھ)

شیخ طوسی ابو جعفر محمد بن حسن کی ولادت ۳۸۵ھ کو مشہد مقدس میں ہوئی۔طوس اس زمانے میں علوم اہل بیت علیہ السلام اور معارف اسلامی کی ایک عظیم یونیورسٹی سمجھا جاتا تھا۔اس مقدس شہر میں امام رضا علیہ السلام کی بارگاہ ہے۔شیخ طوسی عالم اسلام کے جید عالم دین اور عظیم مفسر قرآن تھے۔۲۰ سال کی عمر میں علم و عمل کے اس پیکر نے بغداد کی طرف ہجرت کی۔آپ نے یہ ہجرت فقہ واُصول کے عظیم اُستاد، بحر علم وادب ،پیکر زہد و تقویٰ اور عالم اسلام کے نابغہ روزگار فقیہ اور دنیائے تشیع کے عظیم الشان رہبر حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ کے سامنے زانوئے تلمّذ تہ کرنے کی نیت سے کی تھی۔جو اس وقت بغداد کے مسند علم پر جلوہ افروز تھے۔یہ شاگرد رشید اپنے اُستاد بزرگوار کے حضور پانچ سال تک ان کے وجود پُر برکت سے استفادہ کرتا رہا ، یہاں تک کہ وعدہ الٰہی آ پہنچا اور ۴۱۳ھ میں شیخ مفید اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

شیخ طوسی ۴۰۸ھ تک بغداد میں سنی علماء وشیعہ مجتہدین کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔ شیخ طوسی کی تالیفات کی خصوصیات میں ایک ان کی اصالت ہے یعنی یہ کتابیں ہمارے اصل منابع اوراساسی کتب سمجھی جاتی ہیں۔ سید مرتضٰی علم الہدی کا کتابخانہ جو اسی ہزار سے زائد کتب پر مشتمل تھا، ان کے بعد شیخ طوسی کے زیر مطالعہ رہااور شیخ نے بھی زیادہ تر استفادہ اسی کتابخانہ سے کیااوراسی زمانے میں اپنی دوکتابیں تہذیب''اور''استبصار'' کو تحریر کیاانھوں نے انہی دوکتابوں پراکتفانہ کیا بلکہ بہت سے دوسرے علوم وفنون مثلاً فقہ، اصول، تفسیر، کلام، رجال، ادعیہ وحدیث میں ایسی کتابیں تالیف کیں کہ جو صدیوں تک علماء اور عامتہ الناس کے لئے قابل اعتماد، مستند اور قابل استفادہ رہیں گی۔ شیخ آقا بزرگ تہرانی رحمۃاللہ علیہ نے کتاب حیاۃالشیخ طوسی میں شیخ طوسی کی کتابوں میں سے پچاس (۵۰) کتب کا ذکر کیا ہے۔

تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ

تہذیب الاحکام،''کافی'' اور'' من لایحضرہ الفقیہ ''کے بعد کتب اربعہ میں سے تیسری اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب شیخ مفید کی کتاب ''المقنعہ '' کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے۔جس کی روایات کی تعداد ۱۳۵۹۰ ہے کہ جو ''طہارت '' سے لے کر "دیات "تک ۳۹۳ فصول (فقہی کتابوں) پر مشتمل ہے اور دس جلدوں میں چھپی ہے۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے'' تہذیب الاحکام ''کے مقدمے میں روایات واحادیث کی ترتیب اور تدوین کے بارے میں اپنے اسلوب کی وضاحت اس طرح کی ہے:

"میں نے کتاب کے ابواب کو کتاب المقنعہ کے ابواب کی بنیاد پر منظّم کیا ہے۔یعنی ؛ایک ایک مسئلہ کو ذکر کرکے ساتھ ہی اس کے دلائل بھی بیان کرتا جاتا ہوں جو کہ یہ ہیں :

۱۔ظاہر قرآن، یا قرآن کے معنیٰ میں صریح دلیل یا فحویٰ دلیل۔

۲۔ قطعی سنت ؛جو متواتر روایات یا ایسے قرائن پر مشتمل روایات کہ جو ان کی صحت پر دلالت کررہے ہوں۔ یا اجماع مسلمین کہ جس کا وجود پایا جاتا ہو یا فرقہ محقہ امامیہ کا اجماع۔

اس کے بعد میں اپنے علماء کی مشہور احادیث کو ہر مسئلہ کے ذیل میں ذکر کرتا ہوں۔اور پھر ان روایات کی مخالف اور متضاد روایات کی تحقیق کرتا ہوں۔اوراُن کے درمیان جمع کی وجوہ کو یا تو

تاویل کے ذریعے یا تبیین کے ذریعے مشخص کرتا ہوں اور پھر کچھ روایات کے باطل ہونے کا سبب یا تو سند کے کمزور ہونے یا علماء کی طرف سے ان کے اوپر برعکس عمل کرنے کی وجہ سے بیان کرتا ہوں۔

اور اگر دو روایتیں ایسی ہوں کہ جن کے درمیان ایک دوسرے پر ترجیح کا کوئی راستہ نہ ہو تو اس بات کی وضاحت کرونگا کہ جو روایت، دلالت اصل کے موافق ہے، اُس پر عمل کیا جائے اور جو روایت، اصل کے مخالف ہے اُسے چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی حکم صریح نص سے خالی ہو تو میں نے اُسے مقتضائے اصل کے مطابق سمجھا ہے اور جس قدر ہو سکا ہے روایات کی تاویل کی ہے لیکن اُن کی اسناد میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہونے دیا۔ میں نے سعی کی ہے کسی روایت کو رد نہ کروں۔ اور اپنی تاویل کی تائید میں دوسری روایات سے مدد لی ہے کہ جو صریحی دلالت کے ذریعے یا اُس کے فحویٰ کے ذریعے اس تاویل کی تائید کرتی ہیں تاکہ احادیث پر منطبق فتویٰ اور تاویل پر عمل کر سکوں"۔ (تهذیب الاحکام فی شرح المقنعه، ج ۱، ص ۲، ۳)

تہذیب الاحکام کی خصوصیات

شیخ طوسی علیہ الرحمہ فقط ایک محدث ہی نہیں، بلکہ اسلامی علوم کے دوسرے شعبوں منجملہ علم کلام، فقہ، اُصول فقہ، رجال اور تفسیر پر بھی اُنہیں عبور حاصل تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تھذیب الاحکام میں فقط موضوع سے متعلق روایات نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ فقہی اور اُصولی قواعد وضوابط پر بھی روایات کو پرکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ روایات کے اختلاف اور تناقض کو "تعادل وتراجیح" کے قواعد کے مطابق دیکھتے ہیں اور پھر اُن میں جمع کرتے ہیں۔ اس لئے تھذیب الاحکام کو ہم شیخ طوسی کے علمی مقام ومنزلت کی وجہ سے ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں چونکہ اس کتاب میں بعض ایسی خصوصیات ہیں کہ جو کسی دوسری کتاب میں نظر نہیں آتیں۔ اُس کی سب سے بڑی وجہ شیخ کا فقہ اور اصول میں مہارت ہے۔ تھذیب الاحکام کی چند برجستہ خصوصیات یہ ہیں جو اس کتاب کو دوسری کتب حدیث سے ممتاز بنادیتی ہیں :

۱۔ متضاد روایات میں ہم آہنگی:۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے کہ تہذیب الاحکام کی تدوین کا بڑا مقصد موافق و مخالف روایات کو ذکر کرکے اُنہیں جمع کرنے کا راستہ تلاش کرنا تھا جس میں شیخ طوسی بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں ۔اور یہ چیز اس کتاب کی بہت بڑی خصوصیت ہے ۔ شیخ طوسی نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی روایت کی سند پر تنقید کرتے ہوئے اسے رد نہ کیا جائے تاکہ متعارض روایات کے درمیان ہم آہنگی برقرار کی جاسکے۔ (آشنائی با تاریخ و منابع حدیثی، ص ۲۴۴)

۲۔ آیات قرآن سے استفادہ: دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ شیخ نے اس کتاب میں موقع و محل کی مناسبت سے قرآنی آیات سے بھرپور فائدہ اُٹھایا ہے ۔اور جہاں بھی موقع ملا ہے ایک مسئلہ کے بارے میں روایات نقل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی ادلہ سے بھی استفادہ کیا ہے جو اس کتاب کو بہت سی کتابوں سے ممتاز بنا دیتا ہے۔ مثلاً وضو کے مسئلہ میں روایات نقل کرنے کے بعد شیخ سورۂ مائدہ، آیت نمبر ۶ نقل کرتے ہیں " یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ اُمْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ "۔ (تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، ج ۱، ص ۷۹)

اسی طرح جب قرآن کو بغیر طہارت کے مس کرنے کی شرعی ممانعت کا مسئلہ آتا ہے تو سورۂ واقعہ کی آیت نمبر ۷۹ " لَّا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ " کو نقل کرتے ہیں ۔ (ایضاً، ج ۷، ص ۲۷۲)۔ یہ چیز بھی تہذیب الاحکام کو دوسری کتابوں سے ممتاز بنا دیتی ہے۔

۳۔ فقہ الحدیث: تیسری اہم خصوصیت فہم حدیث کے لئے شیخ طوسی نے فقہ الحدیث اور تفسیر حدیث جیسے موضوعات بھی تہذیب الاحکام میں پیش کیئے ہیں مثلاً کلمہ "صعید" کے معنیٰ "تراب" کے بارے میں شیخ مفید کی عبارت نقل کرنے کے بعد شیخ طوسی لکھتے ہیں :

" شیخ کے مدعا کی دلیل ابن درید کا کلام ہے کہ جو اس نے کتاب "جمھرۃ" میں ابو عبید معمر بن مثنی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صعید سے مراد وہی خالص مٹی ہے کہ جو ریت اور بجری وغیرہ کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو۔" (تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، ج ۱، ص ۱۸۶)

تھذیب الاحکام کی شروحات

شیخ طوسی کی کتاب تھذیب الاحکام پر بہت سی شرحیں اور حواشی بھی لکھے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ شرح سید محمد، صاحب مدارک (متوفی ۱۰۰۹ھ)
۲۔ شرح قاضی نور اللہ (شہید ۱۰۱۹ھ) اس شرح کا نام ''تذھیب الاکمام'' ہے۔
۳۔ شرح مولی عبد اللہ شوشتری (متوفی ۱۰۲۱ھ)
۴۔ شرح شیخ محمد بن حسن بن شہید ثانی (متوفی ۱۰۳۰ھ)
۵۔ شرح مولی محمد بن امین استر آبادی (متوفی ۱۰۳۶ھ)
۶۔ شرح عبد اللطیف جامعی شاگرد شیخ بہائی (متوفی ۱۰۵۰ھ)
۷۔ شرح مولی محمد تقی مجلسی اول (متوفی ۱۰۷۰ھ)
۸۔ شرح مولی محمد طاہر بن محمد حسین شیرازی قمی (متوفی ۱۰۹۸ھ)
۹۔ شرح محقق شیروانی داماد علامہ مجلسی (متوفی ۱۰۹۹ھ)
۱۰۔ شرح علامہ مجلسی بنام ''ملاذ الاخیار'' (متوفی ۱۱۱۱ھ)

تھذیب الاحکام کے حواشی

۱۔ حاشیہ قاضی نور اللہ شوشتری　　۲۔ حاشیہ وحید بہبہانی
۳۔ حاشیہ آقا جمال الدین خوانساری　　۴۔ حاشیہ شیخ حسن صاحب معالم الاصول
۵۔ حاشیہ میرزا عبد اللہ افندی صاحب ریاض　　۶۔ حاشیہ علامہ مجلسی
۷۔ حاشیہ سید میرزا محمد بن علی استر آبادی　　۸۔ حاشیہ شیخ محمد سبط شہید ثانی
۹۔ حاشیہ شیخ محمد علی بلاغی　　۱۰۔ حاشیہ سید نجم الدین جزائری

قابل ذکر ہے کہ فارسی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ محمد یوسف بن محمد ابراہیم گورکانی نے کیا ہے۔

4) الاستبصار فیما اختلف من الاخبار

یہ کتاب شیخ الطائفہ، ابو جعفر محمد بن حسن المعروف شیخ طوسی کی علم حدیث میں دوسری بڑی تالیف ہے۔ اس کتاب کا موضوع اہل بیت اطہار علیہم السلام سے منقول اختلافی احادیث ہیں۔ شیخ طوسی نے اس کتاب میں مختلف فقہی موضوعات میں نقل ہونے والی روایات جمع کی ہیں۔ یہ کتاب تہذیب الاحکام کے بعد تین جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ جلد اول اور دوم "عبادات" کے بارے میں ہے جبکہ تیسری جلد ''عقود وایقاعات ''اور دوسرے فقہی ابواب کے متعلق ہے۔ لیکن جدید اشاعت میں یہ کتاب چار جلدوں میں چھپی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۲۵ ابواب اور ۵۵۱۱ روایات پر مشتمل ہے اور کتب اربعہ میں چوتھی کتاب شمار ہوتی ہے۔

ہر فقیہ اور مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کے استنباط کے وقت اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ چونکہ اس کتاب کا شمار شیعوں کی چار اہم کتابوں، '' کافی''، '' من لایحضرہ الفقیہ '' اور تھذیب الاحکام '' کی صف میں ہوتا ہے جن کے بغیر فقہ اہل بیت میں استنباط اور اجتہاد مکمل نہیں ہو سکتا۔ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ طوسی نے تھذیب الاحکام کے بعد بعض اہل علم دوستوں کی درخواست پر لکھی ہے اور تھذیب الاحکام کا خلاصہ ہی ہے۔

جس کی وجہ تالیف خود شیخ طوسی نے بیان کی ہے، اُن کے اس بیان سے چار باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ شیخ طوسی کی زندگی میں ہی اُن کی کتاب '' تھذیب الاحکام ''لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی اور شیعوں نے اس کتاب کا بہت زیادہ استقبال کیا ہے۔ اس لئے اُنھوں نے اس ضخیم کتاب کی تلخیص کی خواہش ظاہر کی تا کہ عام پڑھا لکھا شخص بھی اس سے بہرہ مند ہو سکے اور عالم وفاضل شخص بھی تعارض روایات کے سلسلے میں اس سے فائدہ اُٹھا سکے۔

۲۔ چونکہ تھذیب الاحکام میں مخالف وموافق روایات کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے لہٰذا شیخ نے بعض بزرگ شیعہ حضرات کی درخواست پر ''استبصار '' میں فقط مخالف روایات کو ذکر کر کے اُن کے

درمیان جمع اور ہم آہنگی برقرار کرنے کا راستہ بتایا ہے۔اسی لئے اس کتاب کا نام ہی "استبصار فیما اختلف من الاخبار" رکھا گیا ہے یعنی "متعارض اور مختلف روایات کے سلسلے میں بصیرت وآگہی"۔

۳۔ شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سے پہلے متعارض اور مختلف روایات کے درمیان ہم آہنگی اور جمع برقرار کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اس طرف کسی کی توجہ تھی۔ شیخ طوسی پہلے وہ عالم ہیں کہ جنہوں نے اس قسم کی سعی کی ہے۔(آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی، ص۲۲۶)

۴۔ایک اور بات یہ سامنے آتی ہے کہ شیخ کے زمانے میں شیعوں کے عام وخواص روایات میں تعارض اور اختلاف کی وجہ سے پریشان تھے اور فہم روایات کے سلسلے میں اُنہیں مشکلات کا سامنا تھا جس کا تذکرہ وہ اپنے علماء سے بھی کرتے تھے، یہ بات اُس دور کے شیعوں کی اپنے علوم ومعارف کے ساتھ گہرے خلوص، لگاؤ اور اُن کے علمی ذوق کو ظاہر کرتی ہے۔کتاب استبصار کے مقدمے میں شیخ طوسی اس کتاب میں روایات کی تدوین کے سلسلے میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے ہر باب کے شروع میں اپنے مد نظر فتویٰ اور اس سے متعلق روایات کو ذکر کیا ہے پھر پہلی روایات کی مخالف روایات کو لایا ہوں اور پھر اُن کے درمیان جمع اور ہم آہنگی کا راستہ ذکر کیا ہے۔"

استبصار کی چند اہم خصوصیات

۱۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی بے نظیر کتاب شمار ہوتی ہے اور پہلی کتاب ہے کہ جو مخالف روایات کے درمیان ہم آہنگی اور جمع برقرار کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔

۲۔مذکورہ بالا خصوصیت کے علاوہ اس کتاب میں تقریباً ہر وہ روایت مل جاتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی اور روایت موجود ہے۔چنانچہ ابن طاوؤس لکھتے ہیں: اگر کسی مسئلہ کے بارے میں کوئی مخالف روایت ہو تو وہ حتماً استبصار میں موجود ہوگی یا اس کی طرف اشارہ ملے گا۔

۳۔اس کتاب کے ہر باب کے شروع میں پہلے معتبر یا قابل قبول روایات لائی گئی ہیں اُس کے بعد دوسری قسم کی روایات کو پیش کیا گیا ہے۔

۴۔استبصار تمام فقہی ابواب پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں فقط اُن ابواب کو لایا گیا ہے جن میں مخالف روایات نقل ہوئی ہیں لیکن ابواب کی ترتیب فقہی کتابوں کے مطابق ہی ہے یعنی ؛کتاب

طہارت سے شروع ہو کر کتاب دیات پر ختم ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں اس کتاب کا موضوع فقط اختلافی ابواب فقہ ہیں۔

تہذیب واستبصار کے درمیان موازنہ

ڈاکٹر علی نصیری نے تھذیب الاحکام اور استبصار کے درمیان ایک موازنہ پیش کیا ہے جسے ہم یہاں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ دونوں کتابوں کے درمیان فرق اور استبصار کو لکھنے کی وجہ مزید روشن ہو جائے۔

۱۔ تھذیب الاحکام کی تدوین سے شیخ طوسی کا سب سے بڑا مقصد روایات شیعہ میں موجود ظاہری تعارض کے بارے میں بعض متعصب مخالفین کے شبہات کا جواب دینا تھا لہٰذا شیخ نے تھذیب الاحکام میں تمام روائی اور غیر روائی ادلہ پر تکیہ کرتے ہوئے روایات کے بارے میں ایک جامع اور کامل تحقیق کی ہے جبکہ استبصار میں بعض شیعہ علماء کی درخواست پر احادیث میں مخالف وموافق روایات کے درمیان ہم آہنگی اور جمع کے راستے کی وضاحت کرنا شیخ کے مد نظر تھی۔اس لئے شیخ طوسی نے استبصار میں فتاویٰ کی غیر روائی ادلہ (مثلاً قرآن واجماع وغیرہ) کو بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

۲۔کتاب تھذیب الاحکام شیخ مفید کی فقہی کتاب ''المقنعہ'' کی روائی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے لہٰذا اس میں شیخ مفید کے فتاویٰ کی تبیین وشرح ہی کی گئی ہے اور اس کا محور بھی المقنعہ کے ابواب ہی ہیں جبکہ استبصار میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔یعنی؛فتاویٰ کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ مخالف روایات کی اساس پر اس کی تدوین کی گئی ہے۔

۳۔کتاب تھذیب الاحکام فتاویٰ کی تمام موافق ومخالف روایات اور ان کی تائید وتوجیہ اور تاویل کرنے والی روایات پر مشتمل ہے۔جبکہ استبصار میں فقط مخالف وموافق روایات لائی گئی ہیں۔

۴۔تھذیب الاحکام میں ایک اہم چیز ''فقہ الحدیث'' اور روایات پر تنقید ہے جبکہ استبصار میں یہ چیز بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔سوائے اُن موقعوں کہ جب روایات مخالف میں ہم آہنگی برقرار کرنے کے لئے اس قسم کی بحث کی ضرورت پڑتی ہے تو شیخ طوسی یہاں بھی فقہ الحدیث کی طرف توجہ دیتے ہیں۔(آشنائی باتاریخ ومنابع حدیثی،ص۲۲۶)

اجازات

''استبصار'' کی اہمیت اور قدر و قیمت کے پیش نظر یہ کتاب ہمیشہ اُن کتابوں کی صف میں شمار ہوتی رہی ہے کہ جن کی روایات کے بارے میں شیعہ علما و فقہا ایک دوسرے کو اجازہ روایت دیتے رہے ہیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے اجازوں کا متن اس کتاب کے مختلف نسخوں کے آخر میں لکھا ہوا ہے۔

منابع

شیخ طوسی نے اس کتاب کی تالیف کے لئے اپنے زمانے میں بغداد کے دو مشہور کتابخانوں سے استفادہ کیا ہے کہ جو معتبر کتابوں اور اصلی نسخوں سے بھرے ہوئے تھے۔ان میں ایک کتابخانہ اُن کے استاد بزرگوار جناب سید مرتضی علم الھدیٰ کا تھا کہ جس میں ۸۰ ہزار جلد کتاب موجود تھی۔دوسرا کتابخانہ شاپور ہے کہ جو بہت بڑا کتابخانہ تھا جو شیعہ علماء کے لئے بغداد کے علاقے کرخ میں بنایا گیا تھا۔یہ دونوں کتابخانے بہترین اور قیمتی کتابوں اور قلمی نسخوں پر مشتمل تھے۔ان قلمی نسخوں میں سے بہت سے نسخے خود اُن کے مولفین یعنی اصحاب ائمہ اطہار کے قلم سے لکھے گئے تھے۔

افسوس کے ساتھ ''کتابخانہ شاپور ''اہل بیت اطہار کے دشمنوں کے حملے میں آگ میں جل گیا تھا اور دنیائے اسلام ایک عظیم علمی ذخیرے سے محروم ہو گئی تھی اور اس کے قیمتی اور نادر نسخے جہالت اور بغض کی آگ میں جل گئے تھے۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے چالیس سال تک جہاں تک ہو سکا ان کتابخانوں سے استفادہ کیا اور ائمہ اطہار کی تعلیمات پر مبنی روایات کو جمع کرکے آئندہ نسلوں کے سپرد کیا۔

استبصار کے بارے میں علماء کی آراء

معروف کتاب شناس اور محقق آقا بزرگ تہرانی اپنی کتاب ''الذریعہ الی تصانیف الشیعہ '' میں لکھتے ہیں : ''ھو احد الکتب الاربعہ والمجامیع الحدیثیۃ التی علیھا مدار استنباط الاحکام الشرعیۃ عند الفقھاء الاثنی عشری منذ عصر المئولف حتیٰ الیوم''۔ یعنی؛کتاب استبصار کتب اربعہ میں سے ایک کتاب ہے اور روایات کے مجموعوں میں سے ایک مجموعہ ہے کہ جس پر زمانہ مولف سے لے کر اب تک شیعہ اثنا عشری فقہاء کے درمیان شرعی احکام کے استنباط کا دار ومدار، رہا ہے۔

ابن ادریس اپنی کتاب ''سرائر'' میں لکھتے ہیں :''کتاب الاستبصار عمله لما اختلف فیه من الاخبار بحیث یتوسط ویلائم بین الاخبار''۔یعنی؛ شیخ طوسی نے کتاب استبصار، مخالف روایات کو جمع کرنے کے لئے لکھا ہے اور اُنہوں نے اس کتاب میں مخالف روایات واحادیث کو ایک دوسرے کے نزدیک کیا ہے اور اُن کے درمیان (معنوی) توافق ایجاد کیا ہے۔

ابن طاوؤس کتاب'' فتح الابواب ''میں لکھتے ہیں : کتاب استبصار مخالف روایات کو جمع کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اگر کہیں اس بارے میں کوئی مخالف روایت تھی تو اسے شیخ نے ختماً کتاب استبصار میں ذکر کیا ہے اور یہ نکتہ اہل توفیق حضرات کیلئے بہت واضح ہے۔

استبصار کی شروحات اور حواشی

اس کتاب پر علمائے شیعہ کی خصوصی توجہ رہی ہے لہٰذا اس کی بہت سی شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں جن میں چند کے نام یہ ہیں:

۱۔کتاب جامع الاخبار فی ایضاح الاستبصار: تالیف، شیخ عبد اللطیف بن علی بن احمد بن ابی جامع حارثی شامی عاملی شاگرد شیخ بہائی۔

۲۔نکت الارشاد در شرح استبصار: تالیف، شہید اول، محمد بن مکی

۳۔شرح استبصار: تالیف، سید میرزا حسن بن عبد الرسول حسینی زنوزی خوئی۔

۴۔شرح استبصار: تالیف، امیر محمد بن امیر عبد الواسع خاتون آبادی داماد علامہ مجلسی۔

۵۔شرح استبصار: تالیف، شیخ عبد الرضا طفیلی نجفی۔

۶۔شرح استبصار: تالیف، فقیہ قاسم بن محمد جواد المعروف ابن الوندی وفقیہ کاظمی جو شیخ حر عاملی کے ہم عصر تھے۔

۷۔شرح استبصار: تالیف، علامہ سید محسن بن حسن اعرجی کاظمی۔

حواشی

۱۔حاشیہ شیخ حسن بن زین الدین صاحب معالم الاصول

۲۔حاشیہ مولی محمد امین بن محمد شریف استرآبادی۔

۳۔حاشیہ میر محمد باقر بن شمس الدین محمد حسینی المعروف داماد
۴۔حاشیہ فاضلہ حمیدہ دختر مولی محمد شریف رویدشتی۔
۵۔حاشیہ مولی عبدالرشید بن مولی نورالدین شوشتری۔
۶۔حاشیہ سید میرزا محمد بن علی بن ابراہیم استرآبادی معروف ماہر علم الرجال۔
۷۔حاشیہ سید محمد بن علی بن حسن موسوی عاملی، صاحب مدارک۔
۸۔حاشیہ محدث جزائری سید نعمت اللہ بن عبداللہ موسوی شوشتری۔

مشیخہ

کتب حدیث کے سلسلے میں ایک اہم ترین بحث ، مشیخہ ہے یعنی؛وہ اساتیذ اور مشائخ کہ جن سے روایت نقل کی جاتی ہے۔ شیخ طوسی نے کتاب کے پہلے اور دوسرے حصے میں تمام اسناد کو ذکر کیا ہے لیکن تیسرے حصے میں فقط راوی کے نام پر اکتفا کیا ہے کہ جس کی کتاب سے اُنہوں نے روایت نقل کی ہے۔ اور کتاب کے آخر میں اپنی سند کو اس راوی تک پہنچایا ہے تا کہ روایات مرسلہ ہونے سے بچ جائیں اور مسند روایات بن جائیں ۔کتاب استبصار کا یہ حصہ بھی بہت اہم سمجھا جاتا ہے اور بہت سے علمائے رجال نے اس حصے کی طرف خصوصی توجہ دی ہے اور اس کے بارے میں شرحیں لکھی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ مشیخۃالاستبصار : تالیف مولی شریف علی بن حسن۔
۲۔اسانید الاستبصار، تالیف حسن بن علی بن ابراہیم علوی۔
۳۔ عواطف الاستبصار، تالیف شیخ فخر الدین بن محمد علی بن احمد بن طریح نجفی۔

☆☆☆☆☆☆

منابع وماخذ

اس مقالے کی تیاری میں درج ذیل منابع اور ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے :

۱۔آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی ،دکتر علی نصیری ، مرکز جھانی علوم اسلامی ، قم،۱۳۸۵ ش

۲۔آشنایی بامتون حدیث ونہج البلاغہ، شیخ مہدی مھریری۔،مرکز جھانی علوم اسلامی ، قم

۳۔بحار الانوار ،محمد باقر مجلسی ،تہران ۱۱۰جلد

۴۔دفاع عن الکافی ،ثامر ہاشم حبیب ،مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیہ ، قم ،۱۴۱۵ھ

۵۔دانش حدیث،محمد باقر نجف زادہ بار فروش،مئوسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی،تہران ،۱۳۷۳ شمسی

۶۔الکافی ،محمد بن یعقوب الکلینی ،انتشارات علمیہ اسلامیہ ،تہران

۷۔سوفٹ ویئر ،نور ،جامع الاحادیث ، نسخہ ۲/۵،مرکز تحقیقات کامپیوتری علوم اسلامی ، قم

۸۔علم الحدیث ودرایۃ الحدیث ،کاظم مدیر شانہ چی ،دفتر انتشارات اسلامی ،جامعہ مدرسین ، قم ،۱۳۷۲ ش

۹۔،الکلینی والکافی،عبد الرسول الغفار،موسسۃ النشر الاسلامی ، قم ،۱۴۱۶ھ

۱۰۔مفاخر اسلام ، علی دوانی ،مرکز اسناد اسلامی ،تہران ۱۳۷۵ ش

۱۱۔الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ ،شیخ آقا بزرگ تہرانی ،المکتبۃ الاسلامیہ ،تہران

۱۲۔الفہرست ،شیخ طوسی ، منشورات الرضی ، قم

۱۳۔رجال النجاشی ،ابو العباس النجاشی ،مکتبۃ الداوری ، قم

۱۴۔من لایحضرہ الفقیہ، شیخ صدوق، منشورات جماعۃ المدرسین الحوزۃ العلمیہ فی قم المقدسہ ،بی تا

۱۵۔دانش حدیث، محمد باقر نجف زادہ بار فروش، مئوسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد)، تہران، ۱۳۷۳ش

۱۶۔دائرۃ المعارف تشیع ،ج اول، ، نشر شہید سعید محبی ۱۳۷۵ش

۱۷۔الاستبصار فیما اختلف من الاخبار، محمد بن حسن الشیخ الطوسی، تحقیق : سید حسن الموسوی، تہران، ۱۳۹۰ھ

۱۸۔تھذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، محمد بن حسن الشیخ الطوسی، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۹۰ھ

۱۹۔دائرۃ المعارف تشیع ،ج،دوم، پنجم، نشر شہید سعید محبی ۱۳۷۵ش

۲۰۔ہزارہ شیخ طوسی ، علی دوانی ،(مجموعہ مقالات) ،مئوسسہ انتشارات امیر کبیر ،تہران ،۱۳۶۲ش

THE STATUS OF THE PROPHETIC TRADITION IN ISLAM

By: ***Allama Murtaza Askari****

Translated by: ***Syed Hasnain Abbas Gardezi***

Key Words: *Prophetic Tradition (Sunnah), Religion of the Ahl al Bait (Household of the Prophet), Asl, Basair al Darajat, Al Jami'ah, the Book of Ali (Kitab-e-Ali)*

Abstract

In the light of the command of Allah to "Take whatever the messenger has given to you, and refrain from whatever he has forbidden you" the followers of the Ahl al Bait get Islamic laws from Sunnah, after Quran. Shia religious Jurists have always relied on Quran and Sunnah in their inference of Islamic laws. They have made the Four Books of Hadith viz. Al Kafi, Man la Yahdhor al Faqih, Al Estibsar, al Tahzeeb their central source of jurisprudence. The authors of the Four Books have inferred Islamic Laws (Ahka'am) from 'Osool'. The word 'Osool' is plural of 'Asl' that refers to a compilation whose complier has taken Ahadith directly from Ahl al Bait or from someone who had listened the narration (Riwayah) directly from a Masoom (infallible Imam). According to the narrations quoted from Imams, the Holy Prophet (PBUH) commanded Imam Ali (AS) to write Ahadith for coming Imams. The book Imam Ali had compiled is known as 'Al Jamiah'. In many narrations it has been mentioned that Imams were used to consult 'Al Jmiah'. Some companions of Imams had also seen the book. The authors of the Four Books have compiled their books from 'Osool' the compilers of which had taken Ahadith from imams, and Imams from the Prophet (PBUH). This illustrates the foundational status of Ahadith in Islam.

** . The Prominent Iranian Islamic Researcher & Author.*

THE METHODS OF NARRATING HADITH IN IMAMIANS BOOKS OF AHADITH

By: ***Syed Ali Reza Kazmi****

Key words: *Different Chain of Transmissions (Turuq), Books of the Companions of Imams, 400 Principles, Index of al Najashi, Index of al Tosi.*

Abstract

The prophetic narrations (Ahadith) quoted by the companions of Imams (Ahab-e-A'immah), directly or indirectly, from Imams illustrates the quantity and quality of the Shii heritage of Ahadith. With the passage of time these compilations of Ahadith became the original source of Shii Ahadith and transmitted, generation to generation, to an era that is called the era of the 'compilers of the Four Books (of Ahadith)'. For Shias the major questions regarding the history of the compilence of Ahadith is about how theses compilations of the companions of the Imams reached to the era of Shia "Muhadditheen" (narrators and transmitors of the prophetic traditions) and whether the books of the companions of Imams reached to the Muhadditheen through many chains/sources of transmission or just a single one. According to the earlier ulema of ilm al rijal (experts of the Science of Men) and Ahadith, these books transferred to the Muhadditheen through "Shohrat" and different "turuq".However, after the compilation of the 'Four Books' the "Truq" of Ashab became quite less, and finally forgotten. This issue became a jurisprudential matter for later ulema. In this article an attempt has been made to validate the hypothesis that the books of "ashab" transferred to the later Muhadditheen through different "turuq".

**. Research Scholar & Student at MIU. (Qum), Iran.*

THE CAUSES OF CONFLICT OF AHADITH AND THE KINDS OF ITS NARRATORS (According to Nahaj al Balaghah)

By: ***Syed Rameez-ul-Hassan Mosavi****

Key words: *The Difference in Ahadirh, Nasikh and Mansookh (Revocatory and Revoked Ahadith), General and Specific (Ahadith), Contradictory Ahadith, Companions of the Holy Prophet (PBUH), Hypocrite*

Abstract

In Nahaj al Balaghah not only Imam Ali's (AS) sermons on Islamic teachings of different issues had been collected, but his views about the 'Science of Hadith' had also been gathered. In this paper, some points about the kinds and diffrences of Ahadith have been presented in the light of imam Ali's (AS) views. When Qais bin Saleem Hilali asked Imam Ali (AS) about self-created and contradictory Ahadith, he told him that people had every kind of hadith such as true and untrue, Nasikh and Mansookh, implicit and explicit, general and specific, and so on. He told Hilali that even during the life of the Prophet (PBUH) Ahadith were ascribed to him that let him to deliver a sermon wherein he warned people of going to hell if they do so. There are four kinds of narrators of Ahadith according to Imam Ali (AS): hypocrite, misjudged, skeptic (who creates doubts and suspicion), and honest and protectors of Ahadith who do not make any mistakes in presenting Ahadith and protect the treasure of Ahadith.

* . *The Editor of Quarterly "Noor-e-Marfat"; Research Scholar, Islamabad.*

THE ROLE OF THE SHIA IMAMS IN THE DISSEMINATION OF HADITH

By: ***Dr. Muhammad Afzal****

Key words: *Prophetic Tradition (Sunnah), Prophetic Statements (Ahadith), Sciences of Hadith, the Household of the Prophet (PBUH), the Book of Imam Ali (AS), the Book of Fatimah (Mushaf al Fatimah), Sahifa al Kamilah.*

Abstract

The Tradition of the Holy prophet is considered as the main source, after Quran, of interpreting Islamic teachings. According to the Shia School of thought, Sunnah includes the statements and deeds (practice) of both the Holy Prophet (PBUH) and Imams from his Household. As Hadith is the narration of the Sunnah, it shares the significance and importance attributed to hadith. Hadith, accompanied by Quran, has been playing a major role in the understanding of religion and Sharia for centuries. After the demise of the Holy Prophet (PBUH), the Imams played a major role in dissemination of hadith. The methods that were utilized by the Imams in the dissemination of Hadith included narration of Ahadith in front of people, encouragement of writing and memorizing Ahadith, training of disciples, compilation of different books on Ahadith and praying to God. The early era of Islamic history was, however, not favorable for Hadith. During this era, different Ahadith were put on the fire, and those companions of the Prophet (PBUH) and contemporaries of the Sahaba (tabi'i) who attempted to disseminate Ahadith were punished. In such harsh conditions, the Imams tried to deliver Ahadith to people whenever they got any opportunity.

** . Research Scholar at K.U. Dept. of Islamic Sciences; Karachi.*

SHEIKH SADDOUQ; THE GREAT TRANSMITTER OF AHADITH IN THE ERA OF THE MINOR TRUANCY

By: ***Syed Ali Reza Kazmi****

Key words: *Imam of the Time, City of the Ray, the Four Deputies of Imam Mahdi (AS), the Four Books of Ahadith, the Minor and Major Occultation of Imam Mahdi.*

Abstract

Sheikh Soddouq was born in 306 A.H at the holy city of Qom. There is a consensus among the experts of the 'science of men (Ulema al-Rijal) that he was born by the special prayers of Imam Mahdi. He spent his childhood with his father. Some Ulema al Rijal have called him 'Raes al Muhaddiseen' and 'soddouq al Tai'fa'. The most significant social and political development of his era was the 'Minor Occultation' and, letter, the 'Major Occultation'. He witnessed the era of the third and fourth 'Deputies' (Nawab) of Imam Mahdi. He spent 22 or 23 years of his life in the era of the 'Minor Occultation' and rest in the era of the 'Major Occultation'. During his times, the Abbasids were in the power. In those days many academic polemics were arranged in which he get his intellectual, ethical and spiritual personality recognized. He utilized the library of Sahib Bin Eibad during the period. He heeded prophetic statements from the narrators of Ahadith. He complied and authored the most important book of hadith; 'Man la Yahdhar al Fqih'. The number of his books is around 300. He travelled and visited many of the Muslim cities and undertook many academic, theoretical and tutorial responsibilities. He passed away in 381 A.H and was laid to rest beside Abd al Azeem Hasni.

*. *Research Scholar & Student at MIU. (Qum), Iran.*

A BRIEF INTRODUCTION OF AKHBARI SCHOOL OF THOUGHT (1) (HISTORY, PERSONALITIES, VIEWS)

By: ***Malik Jarrar Abbas Yazdani****

Key words: *Akhbari, Akhbariyyat, Aadith (Prophetic Statements), Hashwiyyah, Mohaddith (narrator, transmitter and compiler of Ahadith), Ijtihad (Islamic Jurisprudence), intellect, Muhammad Ameen Oster Abadi, Osooli (jurisprudential), Mujtahid (Juris Consult)*

Abstract

It is imperative to appraise and discern the Akhbari school of thought and its rise and fall. Relying only on the 'Akhbar' or 'Nas' (sayings of the 14 infallibles) was the paradigm of Shia religious scholars (Ulema) and Mohaditheen in the first century that can be observed in their books on ethics, jurisprudence, Ahadith, and polemic. During the 11th and 12th century A.H a new school of thought emerged that claimed to be the follower of the past Ulema and Mohadditheen. There were, however, some specific views of the adherents of this school that separated them from the approach and ideology of past ulema. This school of thought, currently known as "Akhbariyyat or Akhbari" had gone through different ups and downs in its short history. The Akhbari School left deep impacts on the books of Ahadith, creating barriers to 'Osooli' scholars. Althoght the Akhbari School had been perished, but the possibility of the resurgence of its principles and ideologies cannot be satisfactorily negated .In this paper an attempt has been made to briefly introduce the history, major figures and key views of the Akhbari School. The objective of the paper is to briefly introduce the Akhbari School, not to critically analyze it.

** M.A. Islamic Sciences, Islamic History, Arabic; M.Phil Islaic Sects, History of Islamic Civilization; Research Scholar at MIU. (Qum), Iran.*

THE CRITERIA OF THE TRUSTWORTHINESS OF A NARRATOR

By: ***Aftab Hussain Jawadi***[15]

Key words: *Special Trustworthiness, Genral Trustworthiness, Trustworthy, List of Teachers (مشیخہ), Permission, Quotation, Consensus Group(اصحاب اجماع) .*

Abstract

There are two main methods of checking the Reliability of a narrator, called: "the special trustworthiness" and "the general trustworthiness". The special trustworthiness means the trustworthiness of a singular person mentioned in the books of the "Study of Narrators". This occurs either by a clarification from a Holly Imam or by a certification from ancient Ulamas (Scholars of the study of Narrators). Another way of such a trustworthiness is research based clarification of someone by contemporary Ulamas (Scholars of the study of Narrators).

As regards to the general trustworthiness, means a general criteria that includes as group of narrators. It also occurs by various means. Sometimes by companionship of the Holy prophet or Holy Imam. Sometimes by advocacy from a Holy Imam.

Another possible mean of trustworthiness of a narrator may be the primal permission from MASAHIEKH (مشائخ). But the author does not declare anyone of the three kinds of permission as a criteria of trustworthiness of narrator.

At the end, frequency of quotation, quotation from Holy Imam and inclusion in the list of consensus group are tested as possible means of proving the trustworthiness of a narrator.

---

15 . Research Scholar & Teacher at Jamiat-ul-Alkusar, Islamabad.

سہ ماہی **نور معرفت**

ممبر شپ فارم

نام: _____ تعلیم: _____

پیشہ: _____ فون نمبر: _____

پتہ: _____

_____

E-mail: _____

براہ کرم سال _____ کے لئے نور معرفت میرے نام جاری کر دیجئے۔ شکریہ دستخط خریدار: _____

دفتری استعمال کے لئے

برادر/خواہر _____ کی ممبر شپ برائے سال _____ کی درخواست منظور کرتے ہوئے رجسٹریشن نمبر جاری کر دیا گیا ہے متعلقہ ممبر کو مجلّہ باقاعدگی سے ارسال کیا جائے گا۔

رجسٹریشن نمبر: _____ تاریخ اجراء: _____ ممبر ساز: _____

نوٹ: مجلّہ کا 2016ء کے لئے زرِ سالانہ مبلغ:/500 روپے اور فی شمارہ:/130 روپے ہے۔

خط وکتابت کا پتہ:

سہ ماہی نور معرفت/نوری الہدیٰ مرکز تحقیقات/نور الہدیٰ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

سادات کالونی/بارہ کہو اسلام آباد/فون: 051-2231937

www.nht.org.pk, www.nmt.org.pk

E-mail:noor.marfat@gmail.com

ماہ رمضان کی فضیلت کا فلسفہ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَ مِنْ تِلْكَ السُّبُلِ شَهْرَهُ شَهْرَ رَمَضَانَ، شَهْرَ الصِّيَامِ، وَ شَهْرَ الْإِسْلَامِ، وَ شَهْرَ الطَّهُورِ، وَ شَهْرَ التَّمْحِيصِ، وَ شَهْرَ الْقِيَامِ الَّذِی أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ، هُدًی لِلنَّاسِ، وَ بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَی وَ الْفُرْقَانِ فَأَبَانَ فَضِيلَتَهُ عَلَی سَائِرِ الشُّهُورِ بِمَا جَعَلَ لَهُ مِنَ الْحُرُمَاتِ الْمَوْفُورَةِ، وَ الْفَضَائِلِ الْمَشْهُورَةِ، فَحَرَّمَ فِيهِ مَا أَحَلَّ فِی غَيْرِهِ إِعْظَاماً، وَ حَجَرَ فِيهِ الْمَطَاعِمَ وَ الْمَشَارِبَ إِكْرَاماً، وَ جَعَلَ لَهُ وَقْتاً بَيِّناً لَا يُجِيزُ جَلَّ وَ عَزَّ أَنْ يُقَدَّمَ قَبْلَهُ، وَ لَا يَقْبَلُ أَنْ يُؤَخَّرَ عَنْهُ. ثُمَّ فَضَّلَ لَيْلَةً وَاحِدَةً مِنْ لَيَالِيهِ عَلَی لَيَالِی أَلْفِ شَهْرٍ، وَ سَمَّاهَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَ الرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ، دَائِمُ الْبَرَكَةِ إِلَی طُلُوعِ الْفَجْرِ عَلَی مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ بِمَا أَحْكَمَ مِنْ قَضَائِهِ.

تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے لطف واحسان کے راستوں میں سے ایک راستہ اپنے مہینہ کو قرار دیا یعنی رمضان کا مہینہ، صیام کا مہینہ، اسلام کا مہینہ، پاکیزگی کا مہینہ، تصیفہ کا مہینہ، عبادت وقیام کا مہینہ۔ وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ جو لوگوں کے لیے رہنما ہے۔ ہدایت اور حق وباطل کے امتیاز کی روشن صداقتیں رکھتا ہے چنانچہ تمام مہینوں پر اس کی فضیلت وبرتری کو آشکار کیا۔ ان فراوان عزتوں اور نمایاں کی وجہ سے جو اس کے لیے جو چیزیں دوسرے مہینوں میں جائز کی تھیں اس میں حرام کر دیں۔ اور اس کے احترام کے پیش نظر کھانے پینے کی چیزوں سے منع کر دیا اور ایک واضح زمانہ اس کے لیے معین کر دیا خدائے بزرگ وبرتر یہ اجازت نہیں دیتا کہ اسے اس کے معینہ وقت سے آگے بڑھا دیا جائے اور نہ یہ قبول کرتا ہے کہ اس سے موخر کر دیا جائے پھر یہ کہ اس کی راتوں میں سے ایک رات کو ہزار مہینوں کی راتوں پر فضیلت دی اور اس کا نام شب قدر رکھا۔ اس رات میں فرشتے اور روح القدس ہر اس امر کے ساتھ جو اس کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے اس کے بندوں میں سے جس پر وہ چاہتا ہے نازل ہوتے ہیں وہ رات سراسر سلامتی کی رات ہے جس کی برکت طلوع فجر تک دائم وبرقرار ہے۔

(دعائے استقبال ماہ رمضان صحیفہ کاملہ)

DECLARATION NO: 7334 ISSN2221-1659

QUARTERLY

RELIGIOUS RESEARCH JOURNAL

NOOR-E-MARFAT

اسلام میں قرآن کے بعد سنّت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔مکتب اہل بیت کی نگاہ میں سنّت صرف پیغمبر اکرمؐ کے قول، فعل اور گفتار تک محدود نہیں بلکہ اس میں معصومینؑ کے اقوال، افعال اور گفتار بھی شامل ہیں۔ حدیث چونکہ سنّت کی حکایت سے عبارت ہے لہذا سنّت کی جو فضیلت، اہمیت اور ضرورت بیان ہوئی ہے، وہ حدیث کے لیے بھی ثابت ہے۔حدیث قرآن کی تشریح کے طور پر تقریبا پندرہ صدیوں سے دین وشریعت کے فہم میں بنیادی کردار ادا کرتی آئی ہے۔

احادیث کے مندرجات ومضامین اور ان کی سند کا جائزہ لینے کے لئے مختلف علوم معرض وجود میں آئے ہیں جنہیں بحیثیت مجموعی علوم حدیث کہا جاتا ہے۔حدیث کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کے بغیر اسلام کی تشریح ناممکن ہے۔یہی وجہ تھی کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ائمہ اہل بیتؑ نے حدیث کی نشر واشاعت کے لئے بہت کوششیں انجام دیں۔حقیقت یہ ہے کہ شریعت کی تکمیل معصومینؑ کی احادیث کے بغیر نامکمل ہے۔

نمت

نورالہدیٰ مرکز تحقیقات، نورالہدیٰ ٹرسٹ، محلّہ سادات، بارہ کہو، اسلام آباد

Ph:051-2231937 www.nmt.org.pk|www.nht.org.pk